2

نظروں سے اوجھل ایک عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ

قرآن مجید کی حاکمیت

ائمہ دین کے اصولِ روایت کی روشنی میں

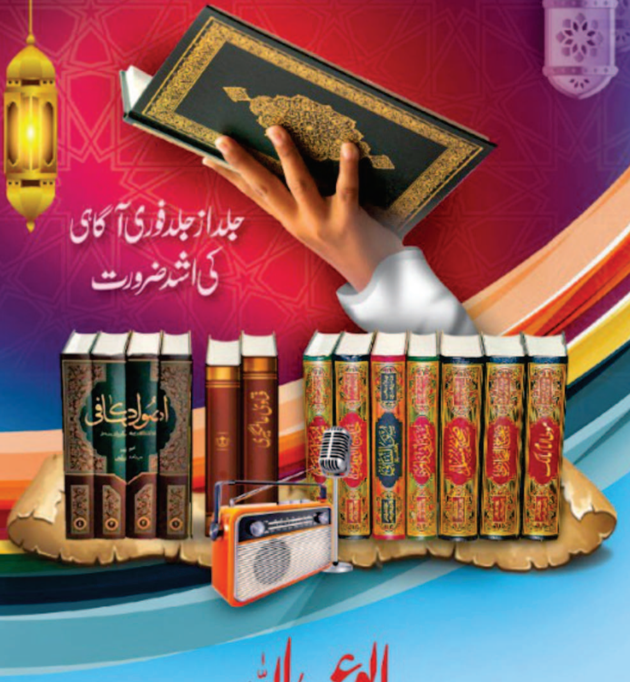

جلد از جلد فوری آگاہی
کی اشد ضرورت

ابو عبداللہ

☆۔نظروں سے اوجھل ایک عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ۔☆

(2)

قرآنِ مجید کی حاکمیت

(ائمہ دین کے اصولِ روایت کی روشنی میں)

(جلد از جلد فوری آگاہی کی اشد ضرورت)

ابوعبداللہ

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں)

نام کتاب: قرآن مجید کی حاکمیت (ائمہ دین کے اُصول روایت کی روشنی میں)

تالیف: ابوعبداللہ

اشاعت اول: 2023، (رمضان المبارک:1444ھ)

ہمارا عزم

(۱)۔فرقہ واریت اور تعصب و تنگ نظری سے چھٹکارہ ، (۲)۔اخلاص وسچائی کی ترویج، (۳)۔ قرآن و سنت کے پختہ دلائل کو بنیاد بنانا،(۴)سلف کے فہم سے استفادہ کرنا،(۵)۔احتیاط اور ذمہ داری کوملحوظ رکھنا،(۶)۔اعتدال پر رہنا(۷)۔ہر پہلوکو مدنظر رکھتے ہوئے:"حق اور سچ کومن وعن واضح کرنا"۔

نوٹ

(۱)۔دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے،کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاءاللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔صالحین کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر ایمان کی شرط ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کوملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن شوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں،تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی،لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلئے پیشگی معذرت۔

بہت بڑی غلط فہمی!

سیدہ عائشہ،سیدنا ابن عباس اور سیدنا عمر بن خطاب..... رضی اللہ عنہم کے تفقہ فی الدین سے رہنمائی کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ (المتوفی:150ھ) کے منفرد اُصولِ حدیث،جن پر :امام جعفر صادق (المتوفیٰ: 148ھ) بھی عمل پیرا تھے اور جنکی تائید:امام مالک (المتوفیٰ: 179ھ)، ، امام اوزاعی (المتوفیٰ:157ھ) اورامام سفیان ثوری (المتوفیٰ:158ھ)..... رحمہم اللہ نے بھی کی۔امام ابوحنیفہؒ کے ان منفرد اُصولوں کی بنا پر بعض محدثین نے غلط فہمی کی بنا پر متعدد روایات کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کو حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں قیاس ورائے کو ترجیح دے کر حدیث کو پس پشت ڈالنے کا اعتراض کیا گیا ہے،جس کی حقیقت اس تحریر میں بیان کردی گئی ہے۔اس ضمن میں سب سے اہم حقیقت جس کے متعلق لوگ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں وہ یہ ہے کہ:

”روایت (یعنی سند) اور درایت (متن وعبارت یعنی روایت کا مضمون) کی تحقیق کی روشنی میں کسی روایت کو صحیح نہ کہنا آپ ﷺ کی بات یعنی (قولِ رسول ﷺ) کا انکار نہیں بلکہ محدثین کے اصول تحقیق یعنی (منسوب علی الرسول ﷺ) پر اعتراض ہے۔کیونکہ آپ ﷺ کی بات پر اعتراض حتیٰ کہ چون وچراں کرنے سے تو انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔آپ ﷺ کی بات پر بات لانے اور اس پر اعتراض کرنے کا تو کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔تحقیق روایت کے اُصولوں کی بنیاد پر کسی روایت پر کلام تو صحابہؓ،تابعین وتبع تابعین.... رحمہم اللہ کے زمانے سے چلتا آرہا ہے، جسے امام ابوحنیفہؒ اور انکے معاصرین نے اپنایا۔انکارِ حدیث کے فتوے کی زد میں تو وہ لوگ آتے ہیں جو سرے سے ہی حدیث کی حجیت کا انکار کردیں۔لہٰذا اس ضمن میں غیر سنجیدہ طرز عمل اپنانا یا حقیقت کو جانے بغیر کسی پر غلط فتویٰ بازی کرنا محض شیطان کی پیروی کرنا ہے۔جس پر ہمیں اللہ کی شدید گرفت اور اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔“

✡✡✡✡✡

انتساب!

قرن اول میں روایت کے ضمن میں درایت ومتن کے اُصولوں کوملحوظ رکھنے والے عظیم اصحاب رسول: ''سیدہ عائشہ، سیدنا ابن عباس اور سیدنا عمر بن خطاب'' رضی اللہ عنہم

اور

دوسری صدی ہجری کے ممتاز مذہبی سکالر: ''امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ'' اور انکے اُصولوں کے موید دیگر عظیم فقہاء کرام: امام جعفر صادق، امام مالک بن انس، امام اوزاعی اور امام سفیان ثوری..... رحمہم اللہ کے نام، جن کے اخلاص، استقامت اور وسعت نظری کی بدولت قرآن کی حاکمیت کے حقیقی تصور پر صدیاں بیت جانے کے باوجود بھی قائم رہنا ممکن ہوسکا۔

فہرست

☆ انتہائی قابل غور...7

☆ ہدایت پانے کی بنیادی شرائط.............................8

☆ معاملے کی سنگینی...9

باب ۱: قرآن مجید کی حاکمیت..............................12

باب ۲: بنیادی اصطلاحات و معلومات......................18

۔ اسلام کے ادوار...18

۔ متواتر اور آحاد..19

۔ شاذ حدیث..21

باب ۳: اصولِ روایت...23

۔ جرح وتعدیل: راویوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا فیصلہ..........23

۔ جرح وتعدیل اور امام ابوحنیفہؒ................................24

۔ اصولِ درایت/ متن کے اصول.............................27

۔ اُصول روایت اور اہل تشیع..................................28

باب ۴: حدیث، روایت حدیث اور سنت میں فرق (انتہائی اہم نکتہ)........31

باب ۵: اصولِ درایت کی بنیاد رکھنے کا اعزاز..............36

اصولِ درایت اور دیگر محدثین................................39

باب ٦: حدیث کے ضمن میں خدشات کا جائزہ اور اُصولِ درایت کے تحت روایات پر کلام...45

باب ۷: اصولِ روایت اور امام ابوحنیفہؒ کا امتیاز.............56

۔ امام ابوحنیفہؒ پر محدثینؒ کا اعتراض..............................59

۔ امام ابوحنیفہؒ کے اصول روایت پر مولانا مودودیؒ کی رائے........................64

باب ۸: امام ابوحنیفہؒ کے اصولِ روایت اور انکے پیروکار.....................70

۔ اسلام اور تقلید...71

۔ سلفی (اہل حدیث) حضرات کے نمایاں اوصاف..........................77

باب ۹: احناف کی اجتہادی خطائیں..................................82

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا امتیاز...................................88

باب ۱۰: اطاعت میں شراکت کی شکلیں..............................91

باب ۱۱: قرآن کے ساتھ سنت کی ضرورت............................99

باب ۱۲: کتب احادیث کے طبقات.....................................108

۔ فقیہ اور محدث کا دائرہ کار..112

۔ فقہ، تدوینِ حدیث اور فی زمانہ دین کی بنیادیں.................................114

باب ۱۳: قرآن کو حاکم تسلیم نہ کرنے کے بھیانک نتائج......................116

☆ جلدی کیجیے!...122

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند علماء حضرات سے استفادہ کی لسٹ......123

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ.....124

☆ ہماری دعوت..125

☆ مراجع و مصادر...126

☆ ہماری اہم تحاریر...127

انتہائی قابلِ غور!

تعصب وتنگ نظری اور فرقہ واریت کی انتہائی خطرناک بیماری کی موجودگی میں حق بات کو جاننا اور ماننا انتہائی مشکل بلکہ پہاڑ سر کرنے سے بھی دشوار ہوتا ہے۔اس خطرناک مرض کی بنا پر مکار ابلیس کو بے شمار چالوں کے ذریعے انسان کو قابو کرنے کا موقع مل جاتا ہے جو انسان کے قبولیتِ حق کی راہ میں حائل ہو کر اسکی منزل کھوٹی کردیتی ہیں۔ان حالات میں انسان سچائی کو جاننے اور ماننے کیلئے آمادہ ہی نہیں ہو پاتا بلکہ اپنے ذہن و مسلک کے خلاف حق بات سے آگاہی سے شدید ناگواری محسوس کرتا ہےاور سچائی کی طرف رہنمائی کرنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے۔

لٰہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں یہ تحریر''قرآن مجید کی حاکمیت'' آپ کیلئے مفید ہوسکے،سچائی پر مبنی اس تحریر کے حقائق آپکی سمجھ میں آجائیں اور انہیں تسلیم کرنے کی توفیق آپ کو نصیب ہوجائے۔تو اس تحریر کے مطالعہ سے قبل ہماری مختصر تحریر''**ھدایت**'' کا مطالعہ ضرور کرلیں تاکہ حق بات جاننے اور تسلیم کرنے کی راہ میں حائل مکار ابلیس کی چالیں آپ پر واضح ہوجائیں۔

ڈگری کی رکاوٹ

مذکورہ تحریر''ہدایت'' میں راہِ ہدایت میں حائل بے شمار رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یعنی دین پر بات کرنے کیلئے کسی مدرسہ سے سند یافتہ ہونا ضروری ہے،اس پر چند ضروری باتیں سمجھ لیں:

تحصیل علم کیلئے باقاعدہ کورسز کی افادیت سے تو انکار نہیں۔تحصیل علم میں جتنا زیادہ وقت دیا جائے،اسی قدر علم میں اضافہ ہوگا۔لیکن مقصد،علم ہے نہ کہ ڈگری۔دین کا علم سیکھنے کیلئے ڈگری شرط نہیں۔ڈگری کے بغیر بھی مختلف ذرائع (قرآن وسنت،استاد،تقاریر وتحاریر،شروح) سے علم سیکھا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہمارے اسلاف (ائمہ ومحدثینؒ) نے سیکھا۔اگر فرقہ واریت کی جگہ اسلام ترجیح ہو تو مدارس کی ڈگریاں مفید ثابت ہوں۔مخلص اہل علم علماء حضرات تو انسانوں کیلئے بہت بڑا سرمایہ ہیں۔لیکن مدارس سے اپنے فرقے کے علاوہ باقیوں کی نفی کی ڈگری سے،کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے؟ کس کی ڈگری مانیں گے اور کس کی نہیں؟ ہر کوئی اپنے فرقہ کی ڈگری کو عین حق ،جبکہ باقی سب کی ڈگریوں کی نفی ، بلکہ اپنے سوا باقیوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔حالانکہ سب صرف ونحو کی پیچیدگیوں سمیت قرآن،حدیث،فقہ،منطق...... سیکھ کر فارغ ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں! حقیقی علم صرف اسے ہی نصیب ہوگا، جو مخلص ہوگا۔جس کا مقصد نہ فرقے،نہ دولت،نہ عزت نہ شہرت ہوگی ، بلکہ اللہ کی رضا اور اسلام مقصود ہوگا۔

ہدایت پانے کی بنیادی شرائط

ہدایت من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کن شرائط وضوابط اور اصولوں کی بنیاد پر کسی کے لئے ہدایت کی گرہ کھولنے یا نہ کھولنے کا فیصلہ کرتا ہے؟ اس ضمن میں دو بنیادی شرائط ہیں اور دو ثانوی:

بنیادی شرائط: (۱)۔ اخلاص وسچائی، اور (۲)۔ طلب وجستجو

ثانوی شرائط: (۱)۔ تمسک بالقرآن، اور (۲)۔ عقل ودانش کا استعمال

مذکورہ دو بنیادی شرائط پوری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ خود ہی اگلی شرائط کی طرف انسان کو مائل کر دیتا ہے۔ جب تک یہ چار شرائط پوری نہ ہو جائیں، حقیقی ہدایت نصیب ہونے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

(۱)۔ اخلاص وسچائی: شیطان نے ساری انسانیت کو اغوا کر لینے، اچک لینے اور ذریت آدم کی جڑ کاٹ دینے کا دعویٰ کیا ہے، سوائے مخلص لوگوں کے، دیکھئے: (سورہ ص: 82۔83)۔

اخلاص کا مطلب ہے کہ مقصد: (i)۔ اللہ کی رضا کا حصول یا (ii)۔ اخروی فلاح یعنی دوزخ کی آگ سے بچنا اور جنت کے حصول کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اور اخلاص نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد:

(i)۔ مقام ومرتبہ اور عزت وشہرت ہو، (ii)۔ دولت ودیگر دنیوی مفادات ہو، اور (iii)۔ اسلام کی فکر کی بجائے اپنے گروہ، مسالک اور فرقوں کی آبیاری اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے دیگر شخصیات کی پیروی کی فکر ہونا۔ اخلاص کی غیر موجودگی میں ''علم وکاوش'' فائدے کی بجائے، قرآن و سنت کی غلط تاویل وتحریف کے ذریعے مزید ہلاکت وگمراہی کا باعث بنتا ہے۔

(۲)۔ طلب وجستجو: ہدایت صرف اسے ملے گی جو سچائی کیلئے فکر مند ہوگا۔ جس میں سچائی جاننے کی شدید پیاس اور تڑپ ہوگی۔ نہ کہ اسے جو مسلک پرستی اور اکابر پرستی کی زنجیروں میں جکڑا آنکھوں پر پٹی باندھی ہو۔

جیسے ہی یہ دو بنیادی شرائط پوری ہو جائیں گی، اس کے نتیجے اللہ تعالیٰ انسان کو اگلی شرائط پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کر دے گا۔ یعنی پروردگار انسان کو ہدایت کے اصل منبع یعنی قرآن حکیم کی طرف لے آئے گا جس کے بغیر اندھیروں سے نکل کر روشنی کو پانا ممکن نہیں۔ پھر پروردگار چوتھی شرط یعنی: جمود، تعصب، جہالت، بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند پیروی اور جامد تقلید..... کی بجائے عقل ودانش کے نورِ بصیرت کی طرف لے آئے گا۔ یوں ان چار شرائط کی تکمیل پر خوش نصیب انسان گمراہی کی زد سے بچ کر اللہ کے ہدایت والے قانون سے بہرہ مند ہو کر سعادت کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ اگر خدانخواستہ فرقہ واریت کی بنا پر معاملہ اسکے برعکس ہوا، تو پھر ابلیس اپنے تمام ہتھیاروں (چھ بنیادی اور دیگر بہت سے ثانوی جالوں) کے ذریعے یوں اچک لے گا کہ ہمیں کان وکان خبر تک نہ ہو پائے گی۔ ان حقائق کو دلائل کی بنا پر تفصیل سے جاننے کیلئے دیکھئے ہماری تحریر **''ہدایت''**۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء
والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

معاملے کی سنگینی!

وہ سب سے سنگین معاملہ جس سے آگاہی کیلئے یہ تحریر مرتب کی گئی ہے، وہ ''قرآن کی حاکمیت'' کو واضح کرنا ہے جو مسالک، فرقوں اور جماعت بندیوں کی گرد میں معدوم ہوگئی ہے۔ یہ معاملہ اس قدر حساس ہے کہ جس کسی نے قرآن کے واضح احکامات کے خلاف کسی دینی رہنمائی کو ترجیح دیتے ہوئے قرآن کو اسکے تابع کرنے کی کوشش کی تو وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، ہلاک اور برباد ہوگیا۔ بروز قیامت قرآن مجید کی بابت انسان کی جواب طلبی ہونی ہے کہ قرآن کو زندگی کا مشعل راہ بنایا کہ نہیں؟ ہم سب اللہ کی عدالت میں قرآن حکیم کے بارے میں پوچھے جائیں گے، بطور نمونہ عبرت کیلئے چند حقائق ملاحظہ کریں:

☆ ﴿ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴾ (سورہ زخرف:: آیت :44)

''اور کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب خود آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت نامہ ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اسکی جواب دہی کرنی ہوگی''

☆ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ o عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ o﴾

(سورۃ البلد:20-19)

''اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا وہ بدبخت ہیں۔ یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔''

☆ ﴿وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:72:17)

''اور جو کوئی اس دنیا میں (قرآن مجید سے) اندھا بن کر رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا اُٹھایا جائے گا اور راستے سے بھٹکا ہوا۔''

☆ ﴿وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ﴾(الانعام:70:6)

''اور (اے نبی) انہیں نصیحت وتنبیہ کرتے رہو (اس قرآن) کے ذریعے سے کہ کہیں کوئی اپنے

اعمال کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے۔‘‘

☆ نبی کریم ﷺ نے متنبہ کیا: (القرآن حجتہ لک او علیک) (صحیح مسلم، کتاب الطہارہ)

’’(بروز قیامت) قرآن تیرے حق میں حجت (دلیل رگواہی) بنے گا یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔‘‘

قرآن فہمی کیلئے آگے بڑھیں، یہ مشکل نہیں بہت آسان ہے، بشرطیکہ ہمارے اندر اخلاص ہو۔ پروردگار نے ایک ہی صورت میں چار مرتبہ تاکید فرمائی: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾

’’یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا‘‘؟ (القمر: آیت۔17,22,32,40)

قرآن اور ہماری صورت حال!

معاملے کی سنگینی تو بالکل واضح ہے لیکن مذکورہ حوالے سے ہماری حالت بہت ہی ابتر ہے۔ فرقہ بندی سے بچتے ہوئے اخلاص کے ساتھ سالہا سال پر محیط گہرے غور وفکر کے بعد اس ضمن میں خسارے کی مجھے درج ذیل شکلیں نظر آئی ہیں:

(۱)۔ دنیا پرستی کا شکار ہو کر تمسک بالقرآن سمیت دین سے دوری۔

(۲)۔ محض رسمی تلاوت کو نجات کا ذریعہ سمجھنا۔

(۳)۔ اکثر خطبا حضرات کا قرآن کو بنیاد ہی نہ بنانا۔ محض بطور برکت ایک آدھی آیت کو بنیاد بنا کر اسکے ادھورے معنی ومفہوم کا ابلاغ۔

(۴)۔ مفسرین کا اپنے فرقے اور مسالک بچانے کیلئے قرآن کی غلط تاویل وتحریف پر مبنی تفاسیر کرنا۔

(۵)۔ وہ لوگ جنہوں نے واقعتاً فہمِ قرآن کو زندگی کا مقصد بنایا ہے، اس جدوجہد کا حصہ بنے ہیں وہ بھی الا ماشاءاللہ قرآن کی حاکمیت یعنی تمام علوم پر قرآن کے حاکم وجج ہونے کے حوالے سے غلط فہمی کی بنا پر حقیقت سے دور ہیں۔ اس تحریر کا بنیادی مقصد اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ معلم قرآن ہیں، قرآن کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہیں اور آپ ﷺ کا حکم مبارک بھی حجت اور ہمارے لئے حرف آخر ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہوا ہے کہ اصحاب الرسولؓ سمیت پہلی

اور دوسری صدی کے فقہاء و مجتہدینؒ کے اُصولِ روایت کو ترک کر دینے کی وجہ سے ہم حقیقت سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ یہ عالمگیر مسئلہ ہے جس سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں اور نہ ہی الا ماشاء اللہ لوگ آگاہی چاہتے ہیں۔

یاد رکھیں! ہمیں اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک دن ہم نے تن تنہا اللہ کے حضور کھڑے ہونا ہے اور قرآن پر ہمارا محاسبہ ہوگا۔ اگر قرآن کی وجہ سے پکڑے گئے تو وہاں کوئی مذہبی پیشوا جن کی خاطر ہم نے قرآن کو پس پشت ڈالا تھا ہمیں چھڑانے نہیں آئے گا۔ بروز قیامت جب انسان پچھتائے گا اور دنیا میں واپس بھیجے جانے کیلئے چانس کی فریاد کرے گا، تو پروردگار فرمائے گا:

﴿بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ اٰیٰتِیۡ فَکَذَّبۡتَ بِهَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝﴾

''ہاں ہاں! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں، جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔'' (الزمر:59:39)

اور نبی کریم ﷺ بھی قرآن کی جواب طلبی میں ناکام ہو جانے والوں کی شفاعت کرنے کی بجائے رب کی بارگاہ میں انکی شکایت کریں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ۝﴾ (الفرقان، آیت:30)

''اور عرض کریں گے رسول ﷺ کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا (نظر انداز کر دیا تھا)۔''

بہت کم بچیں گے! ابلیس کے دعوے کے مطابق کہ: وہ انسانیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دے، پوری انسانیت کو اغوا کر لے گا، سوائے چند مخلص لوگوں کے (سورہ ص، آیت:82-83 اور بنی اسرائیل، آیت:62)۔ لہٰذا قرآن کو کما حقہ تمام علوم پر حاکم بنا کر، بچنے والے چند خوش نصیبوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرا لیں۔

لہٰذا اپنے وجود پر رحم کھائیں اور اسے ابدی ہلاکت سے بچانے کیلئے اللہ کی کتاب کو تمام علوم پر حاکم وجج اور حرف آخر سمجھتے ہوئے، اسکی خالص پیروی کرتے ہوئے، اسے زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات: عقائد و نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات، ریاست و سیاست، معاش و معیشت..... کیلئے مشعل راہ بنا لیں تاکہ حقیقی معنوں میں رسالت کا حق ادا ہو جائے۔

باب ۱

قرآنِ مجید کی حاکمیت

الحمدللہ تمام کلمہ گو اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم دین کا وہ ماٰخذ ہے جو:

”سب سے مستند ہے، حرف آخر ہے، جس میں باطل داخل نہیں ہوسکتا، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی دین کا پرائمری ماخذ اور اولین بنیاد ہے۔ تمام دینی علوم اسی کے تابع ہیں۔ قرآن ہر علم پر حاکم وجج اور پیمانہ ومعیار ہے۔ یہی کتاب زندگی کے تمام شعبہ ہائے جات: عقائد ونظریات، عبادات، اخلاقیات ومعاملات، ریاست وسیاست، معاش ومعیشت..... کیلئے اٹل رہنمائی ہے۔“

لیکن صورت حال یہ ہے کہ یہ سب کچھ ماننے اور قرآن کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی عملی طور پر اس بات کا بارہا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ زبان کی حد تک تو یہی اقرار کیا جاتا ہے، لیکن عملاً اس پر قائم نہیں رہا جاتا۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم قرآن حکیم سے دیگر علوم کی طرف جائیں۔ یعنی قرآن حکیم کی آیات کو اولین بنیاد بنا کر اس کی تشریح وتوضیح کیلئے روایات سمیت دیگر علوم سے استفادہ کیا جائے اور اگر کوئی بھی چیز قرآن حکیم کے واضح احکامات سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے کہ وہ قرآنی احکامات کے تحت ہو جائے۔ لیکن الا ماشاءاللہ، معاملہ اسکے برعکس ہے۔ اول تو الا ماشاء اللہ قرآن حکیم سے ہمیں رسمی تلاوت سے زیادہ کوئی سروکار ہی نہیں، تاہم اگر ضرورت پڑ بھی جائے تو دیگر علوم کو اولین بنیاد بنا کر قرآن کی طرف جایا جاتا ہے اور قرآن کی تشریح وتوضیح روایات سمیت دیگر علوم کے تابع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دین کا تحفظ صحیح علم سے ممکن ہے۔ اسلئے علمِ دین کے بنیادی ذرائع سے صحیح آگاہی ضروری ہے۔

دین وشریعت کی ہر چیز کو قرآن مجید کے ترازو میں تولنا اور اس کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔ قرآن کی کسوٹی پر پوری نہ اترنے والی ہر روایت یا تو موضوع ہے یا ہم تک صحیح حالت میں منتقل نہیں ہوئی۔ یہ بات عقلاً

اور شرعاً محال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات اللہ کی بات کے خلاف ہو۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ:

''السنة قاضية علی الکتاب یعنی کیا سنت کتاب پر حاکم ہے، تو آپؒ نے فرمایا: کہ بھئی یہ کہنے کی میں جسارت نہیں کرسکتا۔ سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی اور اسکی مجمل (یعنی جن کی تفصیل درکار ہو) باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔'' (کتاب الکفایة فی علم الروایة)

اس ضمن میں افراط وتفریط کی صورت حال کچھ یوں ہے:

(۱)۔ کچھ لوگوں نے قرآن کے حرف آخر ہونے کا یہ مطلب لیا ہے کہ روایات یعنی احادیث کی بالکل ضرورت ہی نہیں، سرے سے ہی حدیث کا انکار کر دیا ہے۔

حالانکہ قرآن حکیم کی تعلیمات کا عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جو سنت اور سیرت کی شکل میں ہمارے لئے عظیم رہنمائی ہے۔ اور اس رہنمائی کی بنیاد قرآن حکیم اور تواتر کے ساتھ ساتھ فرامین رسول ﷺ پر ہے جو احادیث کی شکل میں ذخیرہ احادیث میں موجود ہیں۔ قرآنی احکامات کی تفصیل سنت کے بغیر ممکن نہیں، جیسے: نماز، روزہ، حج سمیت دیگر احکام.... کا حکم تو قرآن میں موجود ہے لیکن انکی ادائیگی، تفصیلات، سنت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے قرآن نے تخصیص اور تکرار کے ساتھ ﴿اطیعو اللہ و اطیعو الرسول﴾ کا حکم دیا ہے۔ یہ ایسی واضح اور اٹل حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ لوگ زبان سے اقرار کی حد تک تو یہی کہتے ہیں کہ قرآن ہی حرف آخر ہے اور تمام علوم پر حاکم و جج ہے۔ لیکن قرآن کی تعلیمات کو من وعن ماننے اور روایات کی تاویل قرآن کے تحت کرنے کی بجائے قرآن کو روایات کے تابع کرتے ہوئے قرآن کی تاویل روایات کے تحت کرتے ہیں جو کہ درحقیقت قرآن کی حاکمیت تسلیم نہ کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ پر بھی جھوٹ افترا کرنے کا بھی خدشہ ہے۔ اور یہ عالمگیر مسئلہ

ہے، بہت کم لوگ اس غلطی سے بچے ہیں۔اسلئے اس مسئلے کو قدرے کھول کر واضح کریں گے، شاید ہمارے لئے بچت کی راہ نکل آئے۔

اہم نکات: آگے بڑھنے سے پہلے چند ضروری نکات ذہن نشین کرلیں:

(ا)۔ نبی کریم ﷺ کا حکم مبارک بھی حجت اور حرف آخر ہے لیکن یہ احکام ہم تک براہ راست نہیں پہنچے بلکہ درمیان میں بہت سے راوی شامل ہیں۔اسلئے اس بات کی یقینی تصدیق کیلئے کہ بات واقعتاً آپ ﷺ کی ہے یا نہیں اصولِ روایت پر محدثین کے اصولوں (جرح وتعدیل یعنی اسماءالرجال میں سند کی چھان پھٹک کے ساتھ ساتھ ''درایت'' یعنی متن کی معرفت، سمجھ بوجھ، ادراک... کے اصول جنکی تفصیل آگے بیان ہوگی) کے فلٹرز سے گزار کر فیصلہ کرنا ناگزیر ہے۔پہلی ہی صدی ہجری سے امت میں ایسے طبقات پیدا ہوگئے تھے جو اپنے اغراض کیلئے حدیثیں بنا بنا کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے لگ گئے۔مخلص راویوں کی کاوش تو بہت قابل قدر ہے لیکن اسناد میں گھسے ہوئے بعض عادل نما بدنیت راویوں کا نشانہ: قرآن، انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کی عفت وعصمت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو فاسد عقائد واعمال پر گامزن کرا کر انکی دنیا وآخرت برباد کرنا تھی۔اس ضمن میں پیدا ہونے والی صورت حال کی عکاسی امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کی ہے، چند روایات ملاحظہ کریں:

☆ ''بشیر بن کعب عدوی ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ابن عباسؓ نے نہ انکی طرف کان لگایا نہ اسکی طرف دیکھا۔بشیر بولے اے ابن عباسؓ تم کو کیا ہوا جو میری بات نہیں سنتے۔ابن عباسؓ نے کہا کہ ایک وہ وقت تھا جب ہم کسی شخص سے یہ سنتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا تو اسی وقت اسکی طرف لپکتے۔پھر جب لوگ بُری اور اچھی راہ چلنے لگے (یعنی غلط روایتیں شروع ہوگئیں) تو ہم لوگوں نے سننا چھوڑ دیا، مگر جس حدیث کو ہم پہچانتے ہیں۔'' (مسلم، المقدمہ)

نبی کریم ﷺ نے بھی اس خطرے کی پیشگی خبریں دی، فرمایا:

’’ آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے، پس اپنے آپ کو ان سے اور انہیں اپنے آپ سے دور رکھیو تاکہ کہیں وہ تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔‘‘

(صحیح مُسلم ’’المقدمہ‘‘ حدیث نمبر 16)

☆ اسی خطرے کے پیشِ نظر سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابو ہریرہؓ کو تنبیہ کی کہ:

’’تم رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمھیں (تمھارے قبیلے دوس) میں بھیج دوں گا۔‘‘ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: 1475)

اہلِ حدیث کے ممتاز عالم دین حافظ زبیر علی زئی صاحبؒ نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیے: (فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام لشیخ زبیر علی زئیؒ، ج:2: کتاب الفضائل، ص:265)

اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ ﷺ کی حدیث بیان ہی نہیں کرنی چاہیے، البتہ حضرت عمرؓ کا حکم آپ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب ہونے کے اندیشے کے پیشِ نظر تھا۔ مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے ساتھ متمسک (چمٹے) رہنے پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

☆ حافظ ذہبیؒ نے ابوعمرو الشیبانیؒ کی زبانی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں لکھا:

’’میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھتا سال سال بھر کبھی زبان پر قال رسول اللہ نہ آتا۔ اگر کبھی آتا تو کپکپی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا اس جیسا یا اس کے قریب فرمایا۔‘‘ (تذکرۃ الحفاظ، ج:1، ص:15)

حدیث کے بارے میں جھوٹ عام تھا، جیسا کہ امام مسلمؒ نے لکھا:

’’یحیٰ بن سعید القطان اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ احادیث کے بارے میں نیک لوگ سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں، .... امام مسلمؒ نے فرمایا: یہ لوگ جان بوجھ کر

جھوٹ نہیں بولتے بلکہ جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے۔'' (مسلم المقدمہ، رقم:39)

آج بھی ہم اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ذہن و مسلک، گروہ کے خلاف جب دلائل سے واسطہ پڑے تو انسان سچائی کی بجائے جھوٹ کی راہ کو اپنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس حوالے سے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل بہت بڑی ہلاکت ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا (یعنی جھوٹی حدیث بیان کی) وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔'' (صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 1)

مزید فرمایا کہ:

''اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔''

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'')

کتب احادیث عہد رسالت یا صحابہؓ کے زمانہ کی لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ سوائے موطا امام مالک جو دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی۔ باقی سب تیسری صدی ہجری کے بعد لکھی گئیں۔

(۲)۔ اس شدید خطرے کے پیش نظر بلا درایت وسند کی تحقیق کے ہر بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا، آگ میں کودنے کے مترادف ہے۔ افسوس کہ الا ماشاء اللہ امت مسلمہ اس دلدل میں ڈوب چکی ہے۔

(۳)۔ مزید یہ کہ اس ضمن میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ اگر آپ ﷺ کی بات کا انکار ہو گیا تو بھی خطرہ اور اگر بات آپ ﷺ کی طرف غلط منسوب کر دی گئی تو بھی خسارہ۔ اسلئے بہت ذمہ داری کے مظاہرہ کی ضرورت ہے۔

(۴)۔ قول رسول ﷺ اور منسوب علی الرسول میں فرق: قول رسول تو آپ ﷺ کا فرمان ہے جو صحابہؓ نے سنا جبکہ منسوب علی الرسول آپ ﷺ کی طرف نسبت کیا گیا فرمان ہے۔ جیسے کتب احادیث میں موجود روایات منسوب علی الرسول ﷺ ہیں جن میں ہر روایت کی سند میں کئی کئی

راوی ہیں۔لہٰذا ان روایات کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے قبل ''سند اور متن'' کے فلٹر سے گزارنا ضروری ہے۔مزید یہ کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے۔خلفائے راشدین نے حفاظ کرام صحابہؓ اور روایات..... کی بنیاد پر محنتِ شاقہ کے ذریعے قرآن حکیم کو دوگتوں میں اکٹھا کر کے محفوظ کر دیا۔اُس دور کے بعد اب ہم تک قرآن کی منتقلی ''امت کے اجماع'' سے ہے۔چنانچہ اب قرآنِ حکیم کی کسی آیت کے پیچھے راویوں کی لڑی نہیں دیکھنی پڑتی ،کیونکہ اس کا ثبوت ''اجماع اور تواتر'' سے ہے۔اسی طرح ''متواتر احادیث'' کو بھی قطعیت کے ساتھ قول رسول ﷺ کا درجہ دیا گیا ہے۔

(۵)۔سب سے اہم: روایت و درایت کی تحقیق کی روشنی میں کسی روایت کو صحیح نہ کہنا آپ ﷺ کی بات کا انکار نہیں بلکہ محدثین کے اصول تحقیق پر اعتراض ہے۔کیونکہ آپ ﷺ کی بات پر اعتراض یا چون و چراں سے تو انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اسلئے اس بنا پر کسی پر غلط فتویٰ بازی کرتے ہوئے ہمیں اللہ کی شدید پکڑ اور اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

قرآن مجید کی حاکمیت کا نتیجہ

قرآن کو حقیقی معنوں میں حرف آخر، حاکم و جج تسلیم کر لینے پر انسان کو ایسا پختہ ایمان نصیب ہوتا ہے جس کی بدولت قرآن، اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کے ساتھ غیر متزلزل حقیقی تعلق و وابستگی نصیب ہو جاتی ہے۔قرآن اس رسی کی طرح ہے جسکا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں جبکہ دوسرا سرا قرآن کے ساتھ وابستہ ہونے والے کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔قرآن کو حرف آخر تسلیم کرنے سے واقعتاً اس رسی کا سرا انسان کے ہاتھ آجاتا ہے، جو مظبوط تعلق باللہ کا باعث بنتا ہے اور من گھڑت روایات کی بنا پر نبی کریم ﷺ پر باندھے گئے جھوٹ سے بچنے کی وجہ سے، نبی کریم ﷺ سے بھی حقیقی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔یوں انسان کو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے، جس کی عظیم ایمانی کیفیات اور بہاروں کو انسان اسی زندگی میں محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے۔

باب۲

بنیادی اصطلاحات ومعلومات

اس تحریر میں مستعمل درج ذیل بنیادی اصطلاحات ومعلومات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تاکہ بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

اسلام کے ادوار

صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ کے ادوار:

پہلی صدی ہجری (قرن اول): صحابہؓ اور تابعینؒ کا دور

دوسری صدی ہجری (قرن دوم): تابعین، تبع تابعین، محدثین فقہا کرامؒ

امام جعفر صادق بن محمد باقرؒ (80۔148ھ)، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ (80 ۔150ھ)، (۳) امام مالک بن انسؒ (93۔179ھ)، (۴) امام محمد بن ادریس شافعیؒ (150 ۔204ھ)

تیسری صدی ہجری (قرن سوم):

امام احمد بن حنبلؒ (164۔241 ھ)، امام بخاریؒ (194-256)، امام مسلمؒ (204-261)، امام ابن ماجہؒ (209-273ھ)، امام ابوداؤدؒ (202-275ھ)، امام ترمذیؒ (209-279ھ)، امام نسائیؒ (215-303ھ)

مراتب حدیث: مراتب کے اعتبار سے حدیث کی بہت سی اقسام ہیں جیسے:

متواتر، مشہور، عزیز، آحاد، مرفوع، موقوف.... حسن، صحیح، ضعیف: مرسل، شاذ، منکر، منقطع، معلق، متروک، موضوع وغیرہ۔

متواتر اور آحاد

مذکورہ موضوع کے ضمن میں متواتر اور آحاد کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔دوسری صدی ہجری کے بعد یہی غلط فہمی حقیقت سے دوری کی بنیادی وجہ بنی ہے۔اسلئے یہاں متواتر اور آحاد کی کچھ وضاحت کرنا ضروری ہے۔

متواتر احادیث

وہ احادیث جن کے روایت کرنے والے لاتعداد ہوں، اجماع ہر زمانہ میں موجود رہے اور اسکا آخری اور وسط شہرت کے لحاظ سے یکساں ہو۔اتنے زیادہ لوگوں کی کسی چیز کے بارے میں خبر جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، جیسے: قرآن، پانچ نمازیں، تعداد اور رکعات، مقادیر زکوٰۃ وغیرہ۔تفصیل کیلئے دیکھئے: (توجیہ النظر،ص:82،نزہۃ النذر،ص:8،اصول فخر الاسلام،ج:2،ص:281)

لفظی تواتر کی بابت تو حافظ ابن حبان بستیؒ اور امام حازمؒ کا دعویٰ ہے کہ ذخیرہ حدیث میں اسکا وجود نہیں۔تاہم تواتر معنوی موجود ہے۔تواتر معنوی تین طرح سے ہے:

(i)۔<u>تواتر اسناد:</u> شروع سند سے آخر تک اتنی جماعت روایت کرنے والی ہو جس کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا محال ہو۔

(ii)۔<u>تواتر عملی:</u> زمانہ نبوت سے لے کر آج تک کسی کام کو کرنے والے اس قدر ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔اسی کا نام توارث ہے۔اسلامی عبادات امت کو اسی تواتر عملی سے ملی ہیں۔اسی کو السنۃ اور ما علیہ الجماعۃ کہا جاتا ہے۔

جیسے قرآن تواتر لفظی کے ذریعے امت کو ملا ہے۔ایسے ہی سنت کا علمی سرمایہ بھی تواتر اسناد اور تواتر عمل سے ملا ہے۔

متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوتی ہے۔

<u>مشہور حدیث:</u> ایسی روایت جسے پہلے طبقہ میں تو کثیر لوگوں نے روایت نہ کیا ہو لیکن دوسرے طبقہ

میں متواتر کی طرح کثیر لوگوں نے روایت کیا ہو۔

محدثین کے نزدیک مشہور کا درجہ متواتر سے کم ہے۔اس سے فرضیت تو ثابت نہیں ہوتی لیکن قرآن کے حکم مطلق کو اس سے مقید کیا جاسکتا ہے۔

اخبار آحاد

خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ایک دو یا اس سے زیادہ ہوں لیکن اس میں شہرت کے اسباب نہ ہوں۔یعنی راوی اس کثرت سے نہ ہوں جن کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا محال ہو سکے۔یعنی کذب کا امکان موجود رہے۔ذخیرہ احادیث کے مجموعے کا زیادہ تر حصہ اخبار آحاد پر مشتمل ہے۔

اخبار آحاد اور احناف: اس ضمن میں احناف اور دیگر فقہاء و محدثینؒ کے اصولوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ خبر واحد کو قطعیت کی بجائے ظنی شمار کرتے ہیں اور خبر واحد کو محض سند یعنی جرح و تعدیل کے اصولوں کی بنا پر حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کرنے کی بجائے درایت یعنی متن کے اصولوں کو ملحوظ رکھنے پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔اور بہت سخت معیار پر پورا اترنے کے بعد ہی اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

ملا علی قاریؒ (المتوفی:۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

"یہ (حدیثوں کی صحت) تمام تر وہ ہے جو محدثین کو اسناد پر نظر ڈالنے سے سمجھ میں آئی ہے، ورنہ یقین کی کوئی صورت نہیں۔کیونکہ عقل جائز رکھتی ہے کہ جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے وہ نفس الامر میں موضوع ہو اور جس کو موضوع کہا ہے وہ صحیح ہو۔"

(موضوعات کبیر، ص:16)

مالکیہ کی رائے: مالکیہ کا مسلک اخبار آحاد کے مقابلے میں عمل اہل مدینہ کو حجت ماننا ہے۔وہ عمل اہل مدینہ کو اخبار آحاد پر ترجیح دیتے ہیں۔وہ عمل اہل مدینہ کو سنت کا درجہ دیتے ہیں۔چونکہ مدینہ

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے اسلئے اہل مدینہ نے اگر کسی عمل کو جماعتی حیثیت سے اختیار کیا تو سنت ہونے کے حوالے سے ان کا یہ عمل خبر واحد پر مرجح ہے۔ترجیحاً تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس اصول کو حرف آخر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ صحابہ کرامؓ دوسرے علاقوں میں بھی منتقل ہوئے تھے اسلئے دوسرے علاقوں کے عمل کو سنت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

امام مالکؒ یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

﴿ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝﴾(جاثیہ:32:45)

''ہم تو صرف گمان کرتے ہیں ہم کو یقین حاصل نہیں ہے۔''

امام شافعیؒ کا مسلک: امام شافعیؒ خبر واحد کو حجت قرار دیتے ہیں اور انہوں نے کتاب الام میں اس پر بہت زور دیا ہے۔

اعتدال کا تقاضا: نہ تو یہ طرز عمل ہونا چاہیے کہ ہر خبر واحد کو محض سند کی بنا پر حجت قطعی مانا جائے اور نہ خبر واحد سے دستبردار ہوا جائے۔ بلکہ سند کے ساتھ ساتھ درایت کے اصولوں کی روشنی میں استفادہ کرنا چاہیے تاکہ کوئی غلط اور خلاف قرآن بات آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہوجائے۔

شاذ حدیث

شاذ کی تعریف میں اختلاف ہے،اسکی مختلف تعریفیں یوں کی گئی ہیں:

(۱)۔ روایت کی سند میں کسی مقبول یا ثقہ راوی کا اپنے سے زیادہ مقبول، ثقہ، عدل، ضبط والے راوی کی مخالفت کرنا اس روایت کو شاذ بنادیتا ہے۔

(۲)۔کچھ کے نزدیک صرف ایک ہی سند سے مروی روایت شاذ کہلاتی ہے۔

(۳)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ابویعلی الخلیلی سے شاذ کی یہ تعریف نقل کی ہے:

''حفاظ کے نزدیک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اس طرح ثقہ یا غیر ثقہ اس

میں شذوذ پیدا کر رہا ہو۔‘‘ (اختصار علوم الحدیث، ص:57)

(۴)۔احناف: شاذ کے حوالے سے احناف کا موقف باقیوں سے مختلف ہے۔احناف کے ہاں متن اولین ترجیح ہے۔انکے نزدیک ہر وہ روایت جو قرآن، سنت متواترہ، سنت مشہورہ، عمل صحابہؓ اور مسلمات عقل کے خلاف ہو وہ شاذ ہوگی اگرچہ اسکی سند درست ہو۔امام ابوحنیفہؒ ہر ایسی حدیث کو شاذ قرار دیتے ہیں جو اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے خلاف ہو۔اسی اصول کی تائید کی امام مالکؒ نے بھی کی ہے۔

۞۞۞۞۞

باب۳

اصولِ روایت

صحتِ روایت کیلئے دو قسم کے سخت فلٹرز لگائے گئے ہیں:

(1)۔ جرح وتعدیل یعنی راویوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا فیصلہ۔

(2)۔ درایت یعنی عبارت یا متن کا درست ہونا۔ درایت کا لغوی معنی معرفت، سمجھ بوجھ اور ادراک ہے۔ خوب کوشش کے بعد کسی چیز کو معلوم کرنا درایت کہلاتا ہے۔

(1)۔ جرح وتعدیل: راویوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا فیصلہ

اس ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''لوگوں نے یہ علم صحابہؓ سے لیا۔ اسکو یاد کرنے اور اس کے پہنچانے میں اوقات لگائے اور جانیں کھپائیں لیکن صحابہؓ کے بعد ہر دور میں ایسے لوگ اس میں داخل ہو گئے جن میں اس کی صلاحیت و قابلیت نہ تھی۔ انہوں نے نقل و روایات میں غلطیاں کیں اور کچھ نے عمداً خلاف واقعہ نقل میں دست اندازی کی۔ اس راہ سے حدیث ایک بڑی آفت سے دوچار ہو گئی۔ اللہ سبحانہ نے اس وقت ایسے ارباب فکر میدان میں رونما کئے جنہوں نے حدیث نبوت کی چھان بین اور اسکی مدافعت کا کام کیا۔ خیر خواہی کے جذبے سے راویوں پر کلام کیا۔'' (الرفع والتکمیل، ص:14)

روایت کی سند: رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحابہ کرامؓ سے ہو کر کئی راویوں (دو، تین، چار.......) کے واسطہ سے بتدریج کسی محدث پر منتہی ہوتی ہے۔ سلسہ روایت میں صحابہؓ کی بابت امت کا اتفاق ہے کہ وہ جرح و تنقید سے بالاتر ہیں، وہ سب کے سب ثقہ و صدوق ہیں۔ مسئلہ باقی راویوں کی چھان پھٹک کا ہے۔ جرح وتعدیل کا فن مسلمانوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن سند ایک کسوٹی ضرور ہے لیکن حرف آخر نہیں۔ اگر چہ محدثین نے اس میں بہت جاں فشانیاں کی ہیں لیکن یہ تحقیق بے عیب

نہیں ہو سکتی۔

اس فلٹر کے عمومی نکات یہ ہیں:

(۱)۔لوگوں کی اکثریت راوی کو اچھا عالم تصور کرتی ہو، عربی زبان پر گرفت ہو، قرآن وحدیث کا اچھا نالج ہو۔ (۲)۔عدل: راوی دیانتدار اور سچا ہو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولتا ہو، (۳)۔ضَبط: یعنی قوی ومظبوط حافظہ کا مالک ہو، (۴)۔علت نہ ہو یعنی چوٹی کے حفاظ حدیث نے اس پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا ہو۔ اسے معلول قرار نہ دیا ہو نقص نہ نکالا ہو۔ (۵)۔اتصال سند یعنی سند کی چین بریک نہ ہو، انقطاع نہ ہو، رسی ٹوٹی ہوئی نہ ہو۔ (۶)۔سند شاذ نہ ہو: یعنی کسی مقبول یا ثِقہ راوی نے اپنے سے زیادہ مقبول، ثقہ، عدل، ضبط والے راوی کی مخالفت نہ کی ہو۔لیکن احناف کے نزدیک ہر وہ روایت جو قرآن، سنت متواترہ، سنت مشہورہ، عمل صحابہؓ اور مسلمات عقل کے خلاف ہو وہ شاذ ہوگی اگرچہ اسکی سند درست ہو۔

جرح وتعدیل اور امام ابوحنیفہؒ

ان نکات کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے دیگر فقہا و محدثین کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے۔امام ابوحنیفہؒ دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ ''ضبط (قوت حافظہ)'' کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔یعنی راوی کا ضبط اس قدر قوی ہو کہ سننے کے بعد سے بیان کرنے کے وقت تک اسے لفظ بلفظ برابر یاد رہے۔مزید یہ کہ حدیث ''بالمعنیٰ'' کی بجائے ''باللفظ'' کو قبول کرتے۔اسی موقف کی تائید امام مالکؒ نے کی ہے دیکھئے: (تقریب، ص:۳۰۷)۔امام ابوحنیفہؒ کے اس موقف پر امام سیوطیؒ نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا:

> ''یہ مذہب بڑا ہی سخت ہے، محدثین کا اسکے خلاف عمل ہے کیونکہ اس معیار کے پیش نظر صحیحین (یعنی بخاری ومسلم) کا جائزہ لیا جائے تو نصف راوی ایسے ملیں گے جو حافظہ کی شرط پر پورے نہ اتریں گے۔'' (تدریب الراوی، ص۔306)

بلاشبہ یہ معیار بہت سخت ہے لیکن احتیاط کے ضمن میں یہ بہتر ہے۔اسے سختی کی بجائے احتیاط کا نام دینا چاہئے۔اس احتیاط کو بعض محدثین نے سراہا بھی ہے اور اکثر نے نکیر کی ہے۔

مزید یہ کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:

''کسی شخص کو اس وقت تک حدیث بیان نہیں کرنی چاہیے جب تک اسے سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک (لفظ بلفظ) یاد نہ ہو۔'' (شرح مسند امام احمد،ص:3)

امام ابوحنیفہؒ روایت بالمعنی کو ناجائز کہتے تھے چاہے وہ مرادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔جمہور محدثین نے اس سختی کو قبول نہیں کیا۔

حافظ ابن حزمؒ نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی تائید کی ہے، لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کی حدیث کا حکم تو یہی ہے کہ اسکی روایت باللفظ ہونی چاہیے۔کسی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل نہ ہو۔صرف ایک صورت میں روایت بالمعنی کرسکتا ہے اور وہ یہ کہ راوی حدیث کا حافظ ہو اور ساتھ ہی حتمی طور پر اس کے معنی سے بھی پورا واقف ہو۔اس حالت میں اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو یہ مفتی کی حیثیت میں حدیث کے معنی اور مدلول (دلیل سے ثابت کیا ہوا) کو جواب میں اپنے لفظوں میں حدیث کے معنی پیش کرسکتا ہے۔یہی قرآنی آیات کا حکم ہے۔اس حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔لیکن اگر راوی ہونے کی حیثیت میں حدیث بیان کرے اور ارشاد حضور ﷺ کی طرف نسبت کرے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ الفاظِ نبوت ویسے ہی پیش کرے جیسے سنے ہیں۔اس میں حرف کی بھی تبدیلی جائز نہیں ہے، چاہے الفاظ میں معنوی ترادف (ہم معانی) بھی ہو۔'' (احکام الاحکام، ج:2،ص:205)

اس ضمن میں ۵۴۲ھ کے ایک محقق ابوبکر بن العربیؒ، نے روایت بالمعنی کے عام جواز پر اپنی رائے یوں دی:

''روایت بالمعنی میں یہ اختلاف صرف زمانہ صحابہؓ تک ہے۔صحابہؓ کے علاوہ کسی کے لئے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش نہیں ہے چاہے راوی معنے کو اپنے الفاظ میں کیسے ہی بھرپور انداز میں پیش کرے۔اگر ہم صحابہؓ کے بعد اوروں کے لیے بھی اسکی گنجائش پیدا کرلیں تو ہم حدیث کی روایت پر اعتماد نہیں کرسکیں گے۔کیونکہ ہر ایک ہمارے زمانے تک منقول میں تبدیلی کرتا ہے اور اپنی رائے سے حرف کی جگہ حرف لے آتا ہے۔اس طرح خبر خبر نہیں رہتی۔صحابہؓ کا معاملہ بالکل اسکے برعکس ہے۔ان میں دو اہم خصوصیات ہیں۔ایک فصاحت و بلاغت، کیونکہ انکی جبلت عربی ہے اور انکی زبان میں صحیح سلیقہ ہے۔دوسرے یہ کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ کے قول و فعل کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

(احکام القرآن، ابوبکر بن العربی، ج:1،ص:10)

تاہم اکثر محدثین: حافظ ابن کثیر، حافظ ابوبکر الخطیب، حافظ ابن الصلاح، امام نوی..... رحمہم اللہ نے حدیث باللفظ کے اس اصول کو قبول نہیں کیا۔

حدیث باللفظ اور حدیث بالمعنی کی نزاکت کے حوالے سے، ہندوستان کے ممتاز سلفی عالم دین محمد حنیف ندویؒ نے بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''جو حضرات علومِ حدیث میں معمولی دستگاہ رکھتے ہیں، وہ بھی اسی حقیقت سے آگاہ ہیں کہ سنت کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے، وہ اکثر و بیشتر روایت بالمعنی پر مبنی ہے۔یعنی اس میں الفاظ و پیرایہ کی ٹھیک ٹھیک استواریاں منعکس نہیں ہو پائیں۔اور عقائد و صفات کا معاملہ ایسا نازک، ایسا اہم اور ایسا پیچیدہ ہے کہ اس کا تمام تر انحصار ہی الفاظ و پیرایہ کے بیان کی متعین دلالتوں پر ہے۔یہی نہیں، اس میں بسا اوقات ایک لفظ اور ایک اسلوبِ اظہار ایسا فیصلہ کن، ایسا قطعی اور شکوک و شبہات کے دل بادلوں کو ہٹا دینے والا ہوتا ہے کہ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا مترادف لفظ رکھ دیا جائے یا اسی سے ملتا جلتا دوسرا اندازِ بیان اختیار کیا جائے، تو اس سے مفہوم و معنی کا رخ بالکل بدل جاتا ہے۔ان حالات میں ظاہر

ہے کہ کم از کم صفات کی حد تک ہمیں صرف کتاب اللہ ہی پر اعتماد کرنا چاہیے کہ جس کا ایک ایک لفظ اور شوشہ بعینہ محفوظ ہے اور جس میں عقائد و ایمانیات کی جملہ نزاکتوں کا معجزانہ حد تک خیال رکھا گیا ہے۔''

(عقلیات ابنِ تیمیہؒ، از محمد حنیف ندوی، ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ)

(2)۔اصولِ درایت/ متن کے اصول

درایت یعنی سند کی درستگی کے ساتھ ساتھ عبارت یعنی متن کی درستگی کو بھی ملحوظ رکھنا۔ جرح وتعدیل کے فلٹر کے ساتھ درایت یعنی عبارت یا متن پر مزید فلٹر کی ضرورت درج ذیل وجوہ کی بنا پر پیدا ہوتی ہے:

(۱)۔اگر کسی راوی نے دین کو نقصان پہنچانے کیلئے بھیس بدلا ہو تو جرح وتعدیل کے اصولوں کے تحت تو وہ عادل اور ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ یوں جو نقصان وہ دین کو پہنچائے گا اسکا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔ فی زمانہ جس میں میڈیا اوپن ہے، بھیس بدل کر کسی کو پارسا منوانا انتہائی مشکل ہے۔ حال ہی (2023) میں ایک شخص جس نے بھیس بدل کر سالہا سال اپنے آپ کو کسی کاروبار میں عادل ثابت کر کے لوگوں کی رقم اکٹھی کرتا رہا۔ جب بہت سارا مال جمع ہو گیا، تو اپنے رشتے داروں سمیت کئی دیگر لوگوں کا کروڑوں روپیہ ہتھیا کر فرار ہو گیا ہے۔ تو پھر اُس دور میں جس میں میڈیا نہ تھا دھوکے سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟۔ اسلئے سند کے ساتھ متن کے فلٹر کو ضروری قرار دیا گیا۔

(۲)۔عادل وثقہ راوی سے بھی بات کو پوری طرح یاد رکھ کر من وعن بیان کرنے میں غلطی لگ سکتی ہے اس لئے سند کے ساتھ ساتھ عبارت یعنی متن کو دیکھنا بھی ناگزیر ہے۔

اس بات کی یقینی تصدیق کیلئے کہ بات واقعتاً آپ ﷺ کی ہے یا نہیں متن یعنی عبارت کے درست ہونے پر درج ذیل سخت اصول بنائے گئے ہیں:

(۱)۔روایت دین کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو

(۲)۔روایت مسلمات عقل کے خلاف نہ ہو۔یعنی عقل جس چیز کوضروری قرار دے اسکے خلاف نہ ہو۔جیسے روایت کہ زنا کی اولاد سات نسلوں تک جنت میں نہ جائے گی،ضابطہ قرآن اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔مزید وضاحت کیلئے باب ۵ کا مطالعہ کریں۔

(۳)۔سنت مشہورہ یعنی دیگر صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو

(۴)۔صحابہؓ وتابعینؒ کے عملِ متوارث (ورثے میں ملنے والا) کے خلاف نہ ہو

(۵)۔خبر واحد کا تعلق عموم بلویٰ (ایسی صورت حال جس کا لحاظ رکھنا ممکن نہ ہو) سے نہ ہو

(٦)۔اورسب سے اہم یہ کہ روایت کے معانی قرآن سے متضاد نہ ہو۔اگر روایات سمیت کوئی بھی دینی بات قرآن کی واضح تعلیمات بلکہ دیگر صحیح السند احادیث/سنت مشہورہ کے بھی خلاف ہو تو سند درست ہونے کے باوجود بھی محدثین اسے قبول نہیں کرتے بلکہ اسے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ قرار دیتے ہیں۔کیونکہ پیارے رسول ﷺ کا مقصد قرآن کا اِبلاغ ہے۔آپ ﷺ کا طرزعمل تو ہے ہی قرآن (کان خلقه القرآن)۔آپ ﷺ کی طرز زندگی،سیرت مبارک اورسنت درحقیقت قرآن کا عملی نمونہ ہے۔

<u>اُصول روایت اوراہل تشیع:</u> اُصول روایت کے ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کی طرح اہل تشیع کے اماموں کا نقطہ نظر بھی بہت واضح ہے کہ صرف سند کی بنیاد پر روایات کا فیصلہ نہ ہوگا بلکہ روایت کیلئے قرآن مجید کسوٹی ہوگی۔چنانچہ امام محمد باقرؒ (المتوفیٰ:۱۱۴ھ) سے روایت ہے:

((لاتصدق علينا الا ماوافق كتاب الله وسنة نبيه))

''ہماری صرف ان احادیث کی تصدیق کرو جو کتاب اللہ اورسنت رسول ﷺ کے مطابق ہوں۔'' (اصول کافی،وسائل الشیعۃ:۲۷:۱۲۳)

امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر،امام جعفر صادقؒ (المتوفیٰ:148ھ) نے فرمایا:

((فما وافق كتاب الله فخذوه وما خالف كتاب الله فدعوه))

(اصول کافی،وسائل الشیعۃ:۱۱۹:۲۷)

''جواللہ کی کتاب کے موافق ہواسے اخذ کرواور جواسکے مخالف ہواسے رد کرو۔''

مسلک امامت کے آٹھویں امام حضرت امام رضا (المتوفی: ۲۰۳ھ) نے فرمایا:

((اذا كانت الروايات مخالفة للقرآن كذبتها)) (اصول کافی: ۱:۹۵)

''جوروایات قرآن کریم کی مخالف ہوں میں انکی تکذیب کرتا ہوں۔''

معاملے کی سنگینی! قرآن کوحرف آخراور تمام علوم پر حاکم وجج ماننا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ جس نے قرآن کے واضح احکامات کے خلاف کسی دینی راہنمائی کوترجیح دیتے ہوئے قرآن کواسکے تابع کرنے کی کوشش کی تو وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، ہلاک اور برباد ہوگیا۔ یہ معاملہ کس قدر سنگین ہے، کتاب کے آغاز میں پیش کردہ دلائل ملاحظہ کریں۔ مزید یہ کہ جب فتنے پیدا ہوجائیں، تواس وقت ہدایت کو پانے کیلئے اولین درجے میں صرف اورصرف قرآن حکیم کو بنیاد بنائے بغیر انسان نہیں بچ سکتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا:

''سن لوعنقریب فتنے پیدا ہوں گے۔ میں (حضرت علیؓ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ان سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب، اس میں سابقہ قوموں کے احوال اور مستقبل کی خبریں اور تمھارے مسائل کا حل ہے۔ وہ فیصلہ کن ہے بے فائدہ نہیں۔ جس نے ازراہ تکبر اسے ترک کردیا، اللہ نے اسے ہلاک کر ڈالا، جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو اللہ نے اسے گمراہ کردیا۔ وہ اللہ کی مظبوط رسی ہے، وہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے........ الخ۔'' (جامع ترمذی، رقم: 2906، دارمی)

اس روایت کی سندتو کمزور ہے لیکن قرآن کے اصولوں اور زمینی حقائق کے تناظر میں بات بالکل درست ہے۔ لہٰذا دنیا پرستی، مادہ پرستی، فرقہ پرستی، مسلک پرستی، جمود، اندھی وجامد تقلید، قتل وغارت، شرک وبدعات، حرص وہوس..... سمیت دیگر بے شمار فتنوں کے پرفتن دور میں یہ زیادہ ضروری ہے

کہ ہم قرآن حکیم کو اولین بنیاد بناتے ہوئے روایات سمیت دیگر علوم سے استفادہ کریں۔ پس قرآن کو تمام علوم پر حاکم و جج بنائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس ضمن میں دو انتہاؤں سے بچنا ہے:

(۱)۔ بغیر سوچے سمجھے اور گہرے فہم و بصیرت اور اہل علم سے استفادہ کے جو روایت اپنے ذہن و مسلک کے خلاف آئے اسے قرآن کے خلاف قرار دے دینا بھی درست طرزِ عمل نہیں۔

(۲)۔ اگر واقعتاً کوئی روایت قرآن کی واضح و محکم تعلیمات کے خلاف ہو تو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہوئے اسے قرآن کے اوپر لانے سے بھی بچنا ہے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

بچت اسی میں ہے کہ ایسی صورت حال میں ان روایات کی ایسی تاویل کی جائے کہ بات قرآن کے مطابق ہو جائے یا ایسی روایات پر خاموشی اختیار کرتے ہوئے انہیں اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ جیسا کہ فرمان رسول ﷺ بھی ہے:

''امر تین قسم کے ہیں، ایک وہ جسکی رشد و بھلائی واضح ہے پس اسکی اتباع کرو، ایک امر وہ ہے جسکی گمراہی واضح ہے، پس اس سے اجتناب کرو اور ایک امر وہ ہے جس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، پس اسے اللہ عزوجل کے سپرد کر دو۔'' (مسند احمد)

اس روایت کی بھی سند تو کمزور ہے لیکن اصولاً یہ بات بالکل درست ہے۔

روایت کے متن کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جامع رہنمائی یوں فرمائی:

''ایک قرینہ وہ ہے جو مروی (روایت کیا گیا، بیان کیا گیا یعنی روایت کے مضمون) کے حال سے متعلق ہے کہ روایت قرآن کریم کی نص، سنت متواترہ، اجماع قطعی یا صریح عقل کے خلاف ہو اور اسکی تاویل نہ ہو سکے۔'' (نذھۃ النذر، ص: ۹۷، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)

یعنی اگر روایت مذکورہ سب چیزوں کے خلاف ہو تو سند درست ہونے کے باوجود بھی وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔

باب۴

حدیث، روایتِ حدیث اور سنت میں فرق

(انتہائی اہم نکتہ)

<u>حدیث اور روایتِ حدیث:</u> حدیث اور روایتِ حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں۔اصل چیز تو ''حدیث'' (یعنی نبی کریم ﷺ کا قول، فعل یا تقریر وتصویب) ہے جو اسناد و روایت کے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھی۔روایت و اسناد تو حدیث کی حفاظت کی خاطر فتنوں کے زمانے میں پیدا ہوئیں۔اسی طرح قرآن اور روایتِ قرآن دو الگ الگ چیزیں ہیں۔<u>اساس و بنیاد کی حیثیت میں فقہ کا دارومدار ''حدیث'' پر ہے نہ کہ روایتِ حدیث پر</u>۔فقہ میں وہ شخص امام نہیں ہوسکتا جو علم قرآن اور حدیث وآثار کے متون (یعنی اصل عبارت) کو نہ جانے اور انکے معانی پر قابو نہ پائے۔<u>آپ ﷺ کے ایک ارشاد مبارک کے مختلف طُرق (راویوں کے راستے) چند در چند سندیں محفوظ رکھنا روایت و اسناد ہے، جو زمانہ فتن میں ضرورت کے تحت رونما ہوئی ہے۔حدیث پہلے سے موجود تھی اور آج بھی موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گی۔</u>

امام ابن تیمیہؒ (المتوفی:۷۲۸ھ) نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا:

''لوگوں کو پتہ نہیں ہے کہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی وجہ سے صحیح ہوئی ہے۔نہیں ہرگز نہیں، بلکہ بخاری و مسلم کی احادیث کو روایت کرنے والے اور بھی بے شمار محدثین ہوئے ہیں۔بخاری و مسلم سے پہلے اور بعد میں ان احادیث کو بیان کرنے والے ان گنت لوگ ہوئے ہیں۔اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو نہ دین میں کوئی کمی آتی نہ احادیث کے وجود پر کوئی حرف آتا۔جب ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے تو اس کی

حیثیت اس سے کوئی مختلف نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ قرآن کو قراء سبعہ (سات) نے روایت کیا ہے۔قرآن بتواتر منقول ہے۔قرآن کا قرآن ہونا قراء سبعہ (یعنی سات قرائتوں) پر موقوف نہیں ہے۔ایسے ہی احادیث کا صحیح ہونا اوران کا حدیث ہونا بخاری و مسلم کی روایت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ یہ احادیث بخاری و مسلم کے وجود پذیر ہونے سے قبل ہی صحیح (احادیث کے طور پر) امت میں مقبول تھیں۔''

(منہاج السنۃ: ج4،ص:58)

اسی لیے روایت و اسناد کے رونما ہونے سے قبل زمانہ تابعین (دوسری صدی ہجری) میں ایسی تمام روایات (یعنی مرسل) جنہیں تابعی رسول اللہ ﷺ کے نام سے پیش کرے قابل قبول سمجھی جاتی تھیں۔جس پر حافظ ابن جریرؒ نے لکھا:

''ابوعمر بن عبدالبرؒ نے تمہید کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ مرسل روایات کے قبول کرنے پر تابعین کا اجماع ہے۔''

(الروض الباسم: ج1:،ص:18،توضیح الافکار: ج:2،ص:82)

یعنی اسناد وروایت کے وجود میں آنے سے پہلے بھی حدیث موجود تھی۔اصل تو حدیث ہی ہے۔روایت واسناد کی ضرورت تو حدیث کی حفاظت کی خاطر فتنوں کے زمانے میں پیدا ہوئی، جیسا کہ امام مسلمؒ مقدمہ میں امام ابن سیرینؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''لوگ اسناد کے بارے میں پوچھ گچھ ہی نہیں کرتے تھے۔جب فتنے رونما ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اپنے آدمی بتاؤ۔اگر راوی اہل السنۃ ہوتا تو راویت لے لیتے اور اگر بدعتی ہوتا تو اس سے روایت نہ لیتے۔'' (مسلم،المقدمہ)

جوں جوں زمانہ صحابہؓ وتابعینؒ سے دور ہوتا گیا اسناد وروایت کے فن میں وسعت آتی گئی۔حتیٰ کہ جو حدیث زمانہ تابعین میں امام ابوحنیفہؒ کو ایک یا دو واسطوں سے ملی تھی وہی امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے زمانے میں چھ واسطوں کی محتاج ہوگئی۔

حدیث اور سنت میں فرق

سلفی حضرات کے فہم کے مطابق حدیث اور سنت میں کوئی فرق نہیں۔لیکن حقیقت میں دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔احادیث تو روایات ہیں جو کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں جبکہ سنت وہ طریقہ زندگی ہے جو قرآن، روایات اور عملی تواتر سے معلوم اور مستنبط ہوتا ہے۔یعنی سنت وہ روح ہے جو روایات میں قدر مشترک کی طرح جاری وساری ہے۔"حدیث" نبی کریم ﷺ کے کسی قول، فعل یا تصویب/ تقریر(یعنی آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا اور اس کی آپ ﷺ نے تردید نہ فرمائی ہو) کو کہتے ہیں۔محدثین حدیث کیلئے" خبر" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ خبر صحیح، حسن، ضعیف وموضوع ہوسکتی ہے۔جبکہ"سنت" سے مراد واضح راستہ، مصروف راستہ، چلتا ہوا راستہ یا ہموار راستہ ہے۔یعنی لغت کے اعتبار سے سنت کا معنیٰ 'طریقہ یا راستہ' ہے جس پر چلا جائے یا عمل کیا جائے خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا۔شرعی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سنت کہتے ہیں، جسے وہ بطور دین جاری فرمادیں۔یعنی 'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے۔گویا سنت درحقیت پورے دین کا نام ہے جو درحقیقت سیرت نبوی ﷺ کا عملی پہلو ہے، جس کی بنیاد قرآن، حدیث اور عملی تواتر ہے۔ قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے جبکہ سنت عملی تواتر سے جس میں روایات کا ریکارڈ بھی ایک شہادت ہے۔امت کے عملی تواتر سے مراد آپ ﷺ کے خلفائے راشدین اور صحابہؓ کا عمل ہے۔اسی لئے فرمایا گیا:

(**فعليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين المهدين**)(جامع ترمذی:2676)

"پس تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین المھدین کی سنت (کو لازم پکڑنا)۔"

آپ ﷺ کی سنت یعنی کسی بھی معاملے میں آپ ﷺ کے رائج عمل مبارک تک رسائی کیلئے قرآن، احادیث اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں تطبیق (تمام دلائل اور پہلوؤں کو مدنظر رکھنا) کے عمل سے گزرنا ضروری ہے۔تطبیق کے عمل سے گزرے بغیر ایک آدھی آیت یا حدیث سے ادھورے مفہوم پر عمل پیرا

ہونا افتراق کی بڑی وجہ ہے(تفصیل کیلیئے دیکھئے ہماری تحریر''ہدایت'' باب۔۷)۔
زمانہ صحابہؓ میں نبی کریم ﷺ کی احادیث کا بڑا حصہ وہ تھا جس کی حیثیت محض زبانی روایات کی نہیں تھی بلکہ صحابہؓ کے معاشرے میں انکی شخصی زندگیوں میں،ان کے گھروں میں،ان کی معیشت اور حکومت وعدالت میں اسکی پوری حکمرانی تھی اور سنت عملاً نافذ تھی۔اسکے آثار ونقوش ہر طرف لوگوں کو چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔پورا معاشرہ اس کو استعمال کرتا تھا۔فقہا کی زبان میں اسی کا نام''السنۃ'' ہے اور حدیث اسی کی''تاریخ'' ہے۔اور یہ السنۃ ہی زمانہ تابعین میں حدیث کی صحت کا ایک معیاری پیمانہ تھی۔یعنی حدیث،سنت کی تاریخ ہے جس کی بنیاد پر سنت یعنی نبی کریم ﷺ کا رائج طریقہ اخذ ہوگا۔
فقہی اصطلاح میں فرائض وواجبات سے فرق کرنے کیلیئے:نفل،سنت اور مستحب کی اصطلاحات مروج کی گئی ہیں لیکن حقیقت میں فرائض وواجبات بھی سنت (یعنی آپ ﷺ کا طریقہ) ہی ہیں جو دین کا ضروری حصہ ہیں۔
سنت درحقیقت تعلیماتِ قرآن کا عملی پہلو ہے جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:
''امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں میں اتری ہے اور قرآن بھی (آسمان) سے نازل ہوا ہے جسے لوگوں نے پڑھا(وعملوا من السنۃ)اور سنت کے ذریعے اس (قرآن) پر عمل کیا۔''
(بخاری،کتاب الاعتصام والسنۃ)

بات بالکل واضح ہوگئی کہ سنت درحقیقت قرآن حکیم کا عملی پہلو ہے۔
آپ ﷺ کی سنت کے اولین پیرو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں،اسلیئے صحابہ کرامؓ کا اجماعی طریقہ(انفرادی بھی جب تک اختلاف نہ ہو) بھی درحقیقت نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہی ہے۔اسلیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی درحقیقت سنت میں ہی داخل ہے (دیکھئے سورۃ النساء: آیت۔115)اور اسکا منبع بھی قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔
اب تک کی گفتگو سے یہ اہم بات سامنے آگئی کہ:

دین 'سنت رسول ﷺ' کا نام ہے۔'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے جو درج ذیل باتوں کو محیط ہے:
(۱)۔فرائض و واجبات (لازمی حصہ)، (۲)۔سنت موکدہ (فرائض و واجبات کے بعد درجہ)، (۳)۔نوافل و مستحبات (ضروری نہیں، کوئی عمل کرے گا تو اجر پائے گا نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا)، (۴)۔طبعی امور: کھانے پینے، صحت و تندرستی کے متعلق رہنمائی۔(۵)۔دنیاوی امور: زندگی گزارنے کے بہترین عمدہ طریقوں پر رہنمائی۔ جو بھی ان پر عمل کرے گا اجر اور فائدہ پائے گا۔

سنت کی ضرورت: قرآن میں اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں، جزئیات اور تفصیلات بیان نہیں ہوئیں۔ان کی تعلیم معلم قرآن یعنی نبی کریم ﷺ پر چھوڑ دی گئی ہے۔مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سمیت دیگر احکام و مناسک کا بنیادی حکم تو قرآن میں موجود ہے لیکن انکی جزئیات و تفصیلات نہیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ نماز جیسی بنیادی عبادت کے اوقات، نمازوں کی تعداد، رکعات سمیت دیگر تفصیلات قرآن میں بیان نہیں ہوئیں۔ یہی صورت حال دیگر احکام و شرائع کا ہے۔اسی طرح جنازہ، نمازِ عید، قربانی سمیت کئی چیزیں تواتر کی بنیاد پر دین کا حصہ ہیں۔یعنی دین کا پورا ڈھانچہ قرآن اور سنت رسول ﷺ سے کھڑا ہوتا ہے۔دونوں کی باہمی ترکیب ہی سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے۔ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی الگ کر دیا جائے تو سارا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔عقل وفطرت کی رُو سے بھی یہی اصول بنتا ہے۔سنت کا انکار قرآن کے انکار کے معنی میں ہی آتا ہے۔قرآن اور سنت کا رشتہ روح اور قالب کا ہے۔قرآن روح ہے اور سنت اسکا قالب۔

اہم ترین بات! لہٰذا اسناد و روایت اور درایت کی تحقیق کی روشنی میں کسی روایت کو صحیح نہ کہنا آپ ﷺ کی بات کا انکار نہیں بلکہ محدثین کے اصول تحقیق پر اعتراض ہے جو فقہا کرامؒ کے دور سے چلتا آ رہا ہے۔یعنی خبر واحد کا انکار سنت کا انکار نہیں۔ اسلئے اس بنا پر کسی پر غلط فتویٰ بازی کرتے ہوئے ہمیں اللہ کی پکڑ اور اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

۞۞۞۞۞

باب ۵

اصولِ درایت کی بنیاد رکھنے کا اعزاز

درایت یعنی متن کے اصولوں سے واقفیت کے بعد اب ہم اسکی تفصیل میں جاتے ہیں تا کہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ اصولِ درایت کی داغ بیل ڈالنے کا اعزاز امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہے۔ اس باریک نقطہ پر انکی نگاہ ڈلنے کی وجہ یہ تھی کہ صحابہؓ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصولِ درایت کے آثار نظر آتے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے لئے دلیل راہ بنے۔ لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں اسطرح گم اور ناپید تھیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہ نہ پڑ سکی۔ سیدہ عائشہؓ، ابن عباسؓ اور عمر بن خطابؓ سے درایت کے ضمن میں کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان میں سے سیدہ عائشہؓ ذرا بھی تامل نہ کرتی تھیں اور جو بات بھی مسلمات عقل یا قرآن سے ہم آہنگ نہ ہوتی فوراً اسکی تردید فرما دیتیں۔ اختصار کی خاطر بطورِ نمونہ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

(ا)۔ سیدہ عائشہؓ نے عقل و دانش اور قرآن کے ضابطے: (لا تزر وازرة وزر اخریٰ ..... ''اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا)۔ (انعام:164) کے تحت درج ذیل حدیث میں سیدنا ابن عمرؓ کے بیان کی تردید کی:

''سیدہ عائشہؓ کے سامنے سیدنا ابن عمرؓ کا روایت کردہ قول بیان کیا گیا کہ: میت کو انکے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے تو، انہوں نے کہا: اللہ عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے، انہوں نے ایک چیز کو سنا لیکن (پوری طرح) محفوظ نہ رکھا (امر واقع یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا اور وہ لوگ اس پر رو رہے تھے تو آپ ﷺ نے

فرمایا: تم رو رہے ہو اور اسے عذاب دیا جا رہا ہے۔" (مسلم، کتاب الجنائز، رقم: 931)

(۲)۔قلیب بدر کی روایت پر سیدہ عائشہؓ کا تبصرہ:

قلیب بدر میں مارے گئے کفار کی پلید، مردہ اور بدبودار لاشوں کو مخاطب ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نے اپنے انجام کو پا لیا ہے؟ اِس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں یہ کیسے؟ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا تُم اِن سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں اِن سے کہہ رہا ہوں۔"

مذکورہ بات کا ذکر جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((انما قال النبی: انهم لیعلمون الان انّ ما کنت اقول حق، وقد قال الله تعالیٰ: " انک لا تسمع الموتی"))

(بُخاری "کتابُ الجنائز" رقم 1371، مُسلم "کتابُ الجنائز" رقم: 2154)

"نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اب یہ مردے یقیناً اِس چیز کو (یعنی عذاب کو) جان چکے ہوں گے جو میں اِن سے کہا کرتا تھا کہ وہ حق ہے۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سورہ روم کی) یہ آیت تلاوت فرمائی: "بے شک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔"

(۳)۔سیدہ عائشہؓ نے قرآن مجید کی آیت (لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار ،سورہ انعام ۱۰۳...... انسانی نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں لیکن وہ انسانی نگاہوں کو پا لیتا ہے، یعنی اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا جبکہ وہ سب کو دیکھ لیتا ہے) کے تحت فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ کو دیکھا تھا تو اس نے اللہ کی ذات پر جھوٹ باندھا۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ (ولقد رآه نزلة اخریٰ، بے شک آپ ﷺ نے تو اسے ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ النجم: ۱۳) تو سیدہ عائشہؓ نے کہا اللہ کی قسم میں وہ پہلی ذات ہوں جس نے رسول اللہ

سے اس بارے میں خود پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو جبرائیل (علیہ السلام) تھے۔ان دو مواقع کے سوا کوئی اور موقع ایسا نہیں ہے جس میں جبرائیل کو میں نے انکی اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہو۔.....انکی جسامت نے زمین وآسمان کے درمیان جگہ کو گھیر رکھا تھا.....الخ۔''

(جامع ترمذی،رقم:3068)

(۴)۔ حضرت عمرؓ کی درج ذیل روایت کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''نحوست تین چیزوں میں ہے: گھوڑے میں،عورت میں اور گھر میں۔''

(بخاری شریف،رقم:2858)

یہ بات سن کر سیدہ عائشہؓ بہت غضبناک ہوگئیں اور اس بات کو قرآنی ضابطہ (ان الامر کلہ للہ ، یقیناً امر تو سارے کا سارے اللہ کے اختیار میں ہے،آل عمران:3:154) کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ ﷺ نے جاہلیت والوں کا یہ خیال بیان فرمایا تھا کہ وہ ان چیزوں میں نحوست کے قائل تھے۔

(۵)۔سیدنا عبداللہ بن عباسؓ: ''سیدنا ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے،تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے اسے خلاف عقل ہونے کی بنا پر قبول نہ کیا اور فرمایا: کیا ہم چکناہٹ سے وضو کریں؟ کیا ہم گرم پانی کے استعمال سے وضو کریں؟اس پر سیدنا ابوہریرہؓ نے کہا: جب تمھارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی جائے تو باتیں نہ بنایا کرو۔'' (جامع ترمذی،کتاب الطھارہ،رقم:79)

(۶)۔خلوص کے ساتھ محض ''لاالٰہ الا اللہ'' پڑھنے پر دوزخ کے حرام ہونے کی خوشخبری:

''حضرت محمود بن ربیعؓ روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت عتبان بن مالکؓ کے گھر تشریف آوری کے دوران ابن دخشن (جسکی منافقین کے ساتھ دوستی اور انہی کے ہم رکاب رہنے کی وجہ سے دیگر صحابہؓ نے اسے منافق قرار دیا تھا) کے متعلق خلوص سے (لاالٰہ الا اللہ) پڑھنے کی وجہ سے دوزخ کے اس پر حرام ہونے کی خبر دی۔اور فرمایا: (ان اللہ قد

حـرم عـلـى الـنـار من قال لااله الا الله يبتغى بذلك وجه الله..) ۔(جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر لاالہ الا اللہ پڑھ لیا،اس پر اللہ نے دوزخ کو حرام کردیا)...."(بخاری،رقم:425)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جب یہ واقعہ سنا تو صاف انکار کردیا اور فرمایا:

(**والله ما اظن رسول الله قال ماقلت قط**) (بخاری،کتاب التہجد،رقم:1186)

"اللہ کی قسم میرا رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہرگز یہ خیال نہیں کہ آپ ﷺ نے ایسے کلمات فرمائے ہوں گے جو تم نے آپ ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ گنہگار موحدین جہنم میں نہیں جائیں گے۔حالانکہ یہ بات بہت سی آیات اور مشہور احادیث کے خلاف ہے۔(فتح الباری،دمشق،مکتبۃ الغزالی،ج۔۳،ص۔۲۶)

چنانچہ علامہ شاطبیؒ (المتوفی:۱۳۸۸ء) فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ،ابن عباسؓ اور عمر بن خطابؓ نے اخبار آحاد کو اصول اسلامیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کردیا تھا۔(الموافقات:ج3:ص:19-20)

لہٰذا امام ابوحنیفہؒ ہر ایسی حدیث کو شاذ قرار دیتے ہیں جو اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے خلاف ہو۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (المتوفی:۱۰۷۱ء) لکھتے ہیں:

"بہت سے محدثین نے امام ابوحنیفہؒ پر اسلئے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت سے ثقہ لوگوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ خبر واحد کو اس باب کی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے مجموعہ سے ملا کر دیکھتے۔اگر خبر واحد کا مضمون ان سے مطابقت کھا جاتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ حدیث فرماتے۔" (الانتقاء،ص:42،الموافقات،جلد:2،ص:24)

امام مالکؒ بھی اس ضمن میں امام صاحبؒ کے ہمنوا ہیں۔

حدیث کو صحیح قرار دینے کیلئے سند اور متن دونوں کو دیکھنا ضروری ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حافظ ابن حبانؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''اگر سند سے متعلق تحقیق کرنی ہو تو محدثین سے کرنی چاہیے اور اگر متن کے بارے میں پوچھنا ہو تو فقہا سے پوچھنا چاہیے۔'' (الباعث الحثیث:ص:165)

اس ضمن میں امام جوزیؒ (المتوفیٰ:۵۹۷ھ) کا موقف نہایت سخت ہے۔انہوں نے بہت سی احادیث جنہیں دوسرے محدثین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے،انہیں موضوعات میں داخل کیا ہے حتیٰ کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی بعض روایتوں کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزی)

امام دارقطنیؒ (المتوفیٰ:۳۸۵ھ) نے بھی بخاری شریف کی متعدد روایات پر کلام کیا ہے۔

اصولِ درایت اور دیگر محدثین

دوسری صدی ہجری کے محدثین فقہاء کرامؒ احادیث کو ما علیہ الجماعۃ (یعنی ایک فرد کی بجائے جماعت) اور تعامل و توارث (وراثت میں ملا ہوا) اور السنۃ کی روشنی میں جانچتے تھے،جبکہ تیسری صدی کے محدثین ان کو صرف اسنادی نقطہ نظر سے جانتے تھے اور اتصال و عدالت (عدل و انصاف) کے ذریعے روایات کو صحیح گردانتے تھے۔

اسکے برعکس تیسری صدی ہجری کے محدثین نے اس اساس (یعنی درایت) کو ملحوظ نہیں رکھا۔بلکہ انہوں نے اخبار آحاد کے ذریعے آئی ہوئی ہر خبر واحد کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر صحیح حدیث بجائے خود ایک اصول ہے جس طرح قرآن مجید ایک اصول ہے۔اور صحیح حدیث وہ جو محدثین کی طے کردہ اصطلاحی صحت پر پوری اترے۔جیسے علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

''حدیث جب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب ہے اور وہ خود

ایک اصل ہے۔'' (معالم السنن: ج:3،ص:113)

اگر اس معیار کو مان لیا جائے کہ ہر حدیث ثابت ہونے کے بعد ایک اصل ہے تو نبی کا کذب بھی اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول بن جائے گا جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث نمبر (3358) کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔

امام رازیؒ (المتوفیٰ: ۶۰۶ھ) نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ:

((هذٰا الحديث لاينبغي ان يقبل لان فيه نسبة الكذب الىٰ ابراهيم))

''اس حدیث کو شرف قبول حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف جھوٹ کی نسبت ہے۔''

اور اسکی وجہ یہ بتلائی ہے کہ:

''جب ایک غیر معصوم راوی کی غلطی ماننے اور معصوم نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت میں تعارض ہو جائے تو ہم راوی کی غلطی مان لیں گے لیکن نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت گوارا نہ کریں گے۔'' (توجیہ النظر،ص:83)

کیونکہ انبیاء (علیہم السلام) کی سچائی اور انکی صداقت مانے ہوئے اصولوں میں سے ایک مسلمہ اصول ہے۔ چونکہ انبیاء (علیہم السلام) کی سچائی اور عصمت یقینیات قطعیہ میں سے ہے اور روایت خواہ سند کے اعتبار سے کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو وہ راوی کی شہادت ہے جو یقینیات قطعیہ اور دین کے مسلمہ اصولوں کے مقابلے میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اور پروردگار نے قرآن حکیم میں سیدنا ابراہیمؑ کے دیگر اوصاف کے ساتھ، انکی صداقت کو بھی تخصیص سے بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝﴾

(سورہ مریم:19: آیت:41)

''اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کر، بے شک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔''

چنانچہ اس ضمن میں ممتاز عالم دین مولانا ابوالکلام آزادؒ (۱۹۵۸ء) نے حقیقت یوں منکشف کی:

''نبی کا جو سب سے بڑا وصف قرآن نے بتلایا ہے، وہ اسکی سچائی ہے..... نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے...... پس انبیائے کرامؑ کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و نقلیہ میں سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کیلئے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شک ہوجائے گی۔''

(انبیائے کرامؑ، مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات کا مجموعہ، مرتبہ، مولانا غلام رسول مہرؒ)

مزید لکھتے ہیں:

''باقی رہی صحیحین کی (مذکورہ) روایت تو اگرچہ اسکی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں، مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازیؒ نے بھی دہرایا ہے۔ یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کرلینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیرِ حدیث میں غلطی ہوگئی۔ بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کرلیں۔ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی۔ لیکن اگر ایک غیر معصوم پیغمبر کو جھوٹا غلط بیان تسلیم کرلیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہوگئی۔ (حوالہ، ایضاً)

مزید فرمایا:

بلا شبہ روایت صحیحین کی ہے، لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی بھی مسلمان نے راویانِ حدیث کی ''عصمت'' کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ امام بخاریؒ و مسلمؒ کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کیلئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے، وہ اسکی ''صحت'' ہے، ''عصمت'' نہیں اور صحت سے مقصود صحتِ مصطلحہ ءفن ہے، نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثلِ صحت قرآن۔ پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں، لیکن بہر حال غیرِ معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کیلئے مفید حجت ہوسکتا ہے، مگر یقینیا و قطعیات کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیاتِ قطعیہ سے معارض ہوجائے تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔'' (انبیائے کرامؑ، مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات کا مجموعہ، مرتبہ، مولانا غلام رسول مہرؒ)

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''کسی کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک حدیث عقل کے خلاف ہے یا ثابت شدہ نص کے مناقض ہے یا کسی اصول سے ٹکراتی ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔''

(تدریب الراوی، ج۔۱، ص۔۲۷۷)

اس ضمن میں امام ابوبکر خطیب بغدادیؒ (المتوفیٰ: ۴۶۳ھ) نے اُصولی رہنمائی ان الفاظ میں فرمائی:

''جب کوئی ثقہ اور مامون راوی ایسی روایت بیان کرے جس کی سند بھی متصل ہے تو اس کو ان امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا: ایک یہ کہ وہ تقاضائے عقل کے خلاف ہو، اس سے اسکا بطلان معلوم ہوگا کیونکہ شرع کا درود عقل کے متقضیات کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ عقل کے خلاف۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا یہ منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو، اس سے معلوم ہوگا کہ اسکی کوئی اصل نہیں یا یہ مسوخ ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو،اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ وہ منسوخ ہے یا اسکی کوئی اصل نہیں ۔کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہو اور امت کا اسکے خلاف اجماع ہو جائے ۔چوتھے یہ کہ ایسے واقعہ کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اسکی کوئی اصل نہیں ،کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایسی بات کی کوئی اصل ہو اور تمام لوگوں میں سے صرف ایک راوی اسے نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں ۔یہ بھی قبول نہیں ہوگی کیونکہ جائز نہیں کہ ایسے واقعہ کو نقل کرنے والا صرف ایک آدمی ہو۔“

(خطیب بغدادی،الفقیہ والمتفقہ ،بیروت دارلکتب العلمیہ ،۱۹۸۰ء ج:1 ص:132-133)

درایت ومتن کو روار کھنے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے بھی یوں رہنمائی ملتی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم کوئی ایسی حدیث سنو،جس سے تمھارے دل مانوس ہوں اور تمھارے بال وکھال اس سے متاثر ہوں اور تم اسکو اپنے سے قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حق دار ہوں ۔اور جب کوئی ایسی حدیث سنو جس کو تمھارے دل قبول نہ کریں اور تمھارے بال وکھال اس سے متوحش ہوں اور تم اسکو اپنے سے دور سمجھو تو میں تم سے بڑھ کر اس سے دور ہوں ۔“

(مسند احمد، رقم:23606،سندہ صحیح)

✡✡✡✡✡

باب ٦

حدیث کے ضمن میں خدشات کا جائزہ

اور

اُصولِ درایت کے تحت روایات پر کلام

اس باب میں پہلے ،اصول داریت کے تحت روایات پر کلام کی بنا پر حجیتِ حدیث کے ضمن میں پیدا ہونے والے خدشات کے ازالے کیلئے اہم نکات پیش کئے جائیں گے ،اسکے بعد اصولِ درایت کے تحت اہل علم فقہاء و محدثین کی طرف سے کئے گئے کلام پر بطور نمونہ چند روایات پیش کریں گے۔

اصولِ درایت کے تحت حدیث کے ضمن میں خدشات کا جائزہ

صحابہؓ کے اسوہ کی روشنی میں اصولِ روایت (حدیث) کی بابت امام ابوحنیفہؒ کے ''درایتی معیار'' کے تحت روایات پر کلام کی بنا پر حجیتِ حدیث کے ضمن میں پیدا ہونے والے خدشات کے ازالے کیلئے چند اہم حقائق ملاحظہ کریں:

(ا)۔پہلی چیز نیت اور اصول ہے۔جب کسی کی نیت درست ہو،اور اسکا اصولی موقف یہ ہو کہ حدیث بھی دین کیلئے ضروری ہے۔سنت کی تفہیم کے لئے قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث بھی ایک اہم بنیاد ہے جس سے قرآن کی مزید وضاحت اور سنت کا عملی نمونہ سامنے آتا ہے۔تو پھر''اصولِ درایت'' کے تحت روایات پر کلام کرنے والے محققین انکارِ حدیث کے الزام کی زد میں نہیں آتے۔بلکہ اس زَد میں تو وہ آئے گا جو سرے سے ہی حجیتِ حدیث کا انکار کردے۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ دین کا جو فرمان دیں وہ حق اور واجب الاتباع ہے۔ آپ ﷺ کے فرامین ہم تک راویوں کے ذریعے پہنچے ہیں جہاں خطا کا امکان موجود ہے۔ اسلئے اصولِ درایت کے تحت روایات پر کلام نبی کریم ﷺ پر کلام نہیں (نعوذ باللہ) بلکہ روایات میں موجود غیر معصوم راویوں پر کلام ہے۔ نبی کریم ﷺ پر اعتراض تو ایمان کے منافی ہے۔

(۳)۔ اس ضمن میں سارے پہلو مد نظر رکھنے ضروری ہیں یعنی: نبی کریم ﷺ کی طرف غلط بات منسوب ہونے کا خطرہ، نبی کریم ﷺ کی بات کو جھٹلانے کا خطرہ۔ ان خطرات کی زَد میں تو وہی لوگ آئیں گے جو درایت و متن کے اصولوں کے بغیر دانستہ طور پر آپ ﷺ کی بات کو نہ ماننا چاہیں۔ اور سب سے بڑا خطرہ روایات کی وجہ سے قرآن کے واضح احکامات کی غلط تاویل کرنا ہے۔ قرآن کے منہ میں لقمہ ڈالنا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کے ارتکاب کے بعد انسان کے پلے کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ بروز قیامت ایسے لوگوں سے اللہ کے رسول ﷺ بھی برائت کا اظہار کر دیں گے۔ لہٰذا قرآن کو من عن ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں کرنا چاہیے اور ہر علم کو قرآن کے تابع کرنا چاہیے نہ کہ دیگر علوم کی وجہ سے قرآن کو اپنے اصل مفہوم سے ہٹانا چاہیے۔

(۴)۔ بروز قیامت ہم سب کا محاسبہ قرآن پر ہی ہوگا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کو بھی جگہ جگہ تخصیص کے ساتھ قرآن کے ذریعے ہی وعظ و تذکیر کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے زندگی بھر آلہ دعوت قرآن کو ہی بنائے رکھا۔ لہٰذا ہر طرح کے اندیشے سے پاک صرف وہی ہوگا جو قرآن کو تمام علوم پر حاکم و جج بنائے گا۔

(۵)۔ اصولِ درایت کے تحت روایات پر کلام کوئی شاذ یعنی منفرد کام نہیں بلکہ اس پر خیر القرون کھڑے ہیں۔ جید صحابہ (سیدہ عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ...)، تابعین، تبع تابعین (امام ابوحنیفہؒ، امام جعفر صادقؒ، امام مالکؒ) اس اصول پر کاربند رہے ہیں۔ بعد میں فقہائے احناف اور مالکیہ کے علاوہ دیگر بہت سے اہل علم فقہاء و محدثین بھی اس اصول پر ہیں جیسے: حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ شاطبی، امام رازی،

محدث ابن جوزی، امام دارقطنی، محدث ابوبکر خطیب بغدادی، حافظ ابوجعفر طحاوی، حافظ ابوبکر الجصاص، علامہ عبدالعزیز بخاری۔ جامعہ ازہر کے علماء خصوصاً: شیخ محمود شلتوت، سید رشید رضا مصری، شیخ محمد عبدہ۔ مولانا مودودی، علامہ نیاز احمد فاضل دیوبند، علامہ شبیر ازہر میرٹھی، شاہ ابوالخیر اسدی ملتانی، علامہ ابوالکلام آزاد، امام مکی، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ حمیدالدین فراحی، مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی دیوبندی، علامہ امین احسن اصلاحی، علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی دیوبندی........ رحمہم اللہ وغیرہ اور عصر حاضر کے نامور محقق مفتی کامران شہزاد صاحب۔

(۶)۔ مسلمانوں کے دو بڑے گروہ اہل سنت اور اہل تشیع ہیں۔ اہل سنت کی کتبِ احادیث: بخاری، مسلم..... وغیرہ کو اہل تشیع قابل اعتماد نہیں سمجھتے اور اہل تشیع کی کتبِ احادیث: اصولِ کافی، نہج البلاغہ.... وغیرہ کو اہل سنت قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔ اسکے باوجود بھی اس بنا پر کوئی ایک دوسرے کو منکرِ حدیث یا کافر قرار نہیں دیتا کیونکہ قرآن پر سب کا ایمان ہے۔ تو پھر اصول درایت کی روشنی میں چند احادیث پر کلام کرنے والے اہل علم انکارِ حدیث کی زَد میں کیسے آسکتے ہیں؟ شیعہ گروہ میں اگرچہ بہت غلو ہے لیکن اعتدال پسند شیعہ حضرات ہمیشہ سے ہی غالی گروہ کی نفی کرتے آئے ہیں۔

اُصولِ درایت کے تحت روایات پر کلام

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسوہ کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے اُصول درایت کے تحت، اہل علم محدثین نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے سے بچنے کیلئے متعدد روایات پر کلام کیا ہے، جو سند کے لحاظ سے بہت قوی ہیں، لیکن درایتاً درست نہیں۔ اہل علم کا یہ کلام نبی کریم ﷺ پر نہیں (نعوذ باللہ) بلکہ روایات میں موجود راویوں پر ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

نوٹ: یہ اہم بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس قسم کی چند روایات کی بنا پر پورے ذخیرہ احادیث کو مشکوک قرار دے کر حدیث سے دستبردار ہونے سے بھی بچا جائے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ حدیث دین کا لازمی ماخذ ہے جس سے قرآن کی مزید تفصیل ہوتی ہے اور اس کے بغیر

سنت کا عملی پہلو ثابت نہیں ہوسکتا۔اس ضمن میں جس راہ کو اوائل اسلام کے دور میں سلف (صحابہؓ،تابعین اور تبع تابعین) نے اختیار کیا ہے، وہ یہی ہے کہ حدیث کیلئے سند کے ساتھ ساتھ اصول درایت کو بھی ہر ممکن ملحوظ رکھ کر حدیث سے استنباط کیا جائے نہ کہ حدیث کو ترک کیا جائے۔

(۱)۔بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق واقعہ معراج نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل ہوا، دیکھئے۔(صحیح بخاری،کتاب المناقب،رقم:3570)

امام ابن حزمؒ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ واقعہ معراج رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ہوا تھا،اسلئے روایت میں مذکورہ بات درست نہیں ہوسکتی۔(الامیر الیمانی،محمد بن اسماعیل،توضیح الافکار،بیروت،داراحیاء التراث العربی،۱۳۶۶ھ،ج1:،ص:128-129)

(۲)۔بخاری شریف (حدیث نمبر۔۳) کے مطابق پہلی وحی ''اقراء''یعنی سورۃ العلق نازل ہوئی جبکہ بخاری شریف (حدیث نمبر۔۴۹۲۲) کے مطابق پہلی وحی ''سورۃ المدثر'' نازل ہوئی۔دونوں باتیں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہیں اور دونوں کی سند صحیح ہے۔یوں کس کی نسبت آپ ﷺ کی جائے گی اور کس کی نہیں؟۔

(۳)۔بخاری شریف (حدیث نمبر۔۲۳۳) کے مطابق نبی کریم ﷺ نے ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں کو بطور علاج اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا مشورہ دیا جبکہ بخاری شریف (حدیث نمبر۔۵۶۸۵) میں پیشاب کی بجائے آپ ﷺ نے صرف دودھ پینے کا مشورہ دیا۔سند دونوں کی صحیح ہے لیکن متن میں اضطراب ہے۔قرآن مجید (سورہ اعراف،آیت:۱۵۷) کے مطابق رسول اللہ ﷺ لوگوں کیلئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں۔لہٰذا قرآن کی روشنی میں پیشاب پینے والی روایت سند درست ہونے کے باوجود بھی قابل استدلال نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ قبیلہ کے مذکورہ لوگ خبیث تھے جنہوں نے چرواہے کو بھی قتل کردیا اور جانور لے کر بھاگ گئے۔ان لوگوں نے خود سے پیشاب پیا اور

بدنام کرنے کے لئے پیشاب پینے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کردی۔افسوس تو ان علماء حضرات پر ہے جوتاویل کے سہارے بغیر سوچ سمجھے اندھا دھند پیشاب پینے والی بات کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنے پر بضد ہیں۔اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔(آمین)

(۴)۔بخاری شریف (حدیث نمبر۔۳۷۴۲) کے مطابق نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق سورۃ الیل میں آیت نمبر۔۳(وما خلق الذکر والانثیٰ) کی بجائے (والذکر والانثیٰ) کے الفاظ ہیں۔لیکن وہ قرآن جو نبی کریم ﷺ سے تصدیق شدہ صدراول سے قولی وعملی تواتر کے ذریعے ہم تک منتقل ہوا ہے اس میں آیت۔۳(وما خلق الذکر والانثیٰ)ہی ہے۔لہٰذا اس روایت کی سند بہترین ہونے کے باوجود بھی عملی تواتر کی وجہ سے اس حدیث کو اہل علم نے قبول نہیں کیا کیونکہ اس سے قرآن کی محفوظیت مشکوک ہوجاتی ہے۔اسی طرح مسلم شریف (حدیث نمبر۔۶۲۹،موطا امام مالک) کے مطابق سیدہ عائشہؓ نے قرآن کا نسخہ منگوایا اورسورۃ البقرہ کی آیت:۲۳۸(حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطیٰ) کے آگے مزید الفاظ (وصلاۃ العصر)درج کرائے۔لیکن اس روایت کو بھی صحیح اسناد ہونے کے باوجود بھی عملی تواتر سے قرآن کے محفوظ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا گیا۔اگر محض اسناد صحیح ہونے کی بنا پر ان روایات کو قبول کرلیا جائے تو پھر صدراول سے عملی تواتر سے موجود قرآن مشکوک ہوجاتا ہے۔!

(۵)۔نبی ﷺ نے فرمایا:(من مات وعلیه صیام،صام عنه ولیه)۔

(بخاری،رقم:1952، مسلم:1147)

''جوآدمی فوت ہوجائے،اسکے ذمے اگر روزے ہوں تو اسکا ولی اسکی طرف سے روزے رکھے۔''

علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں:

''کیونکہ یہ قرآن کے بیان کردہ اس ضابطے کے خلاف ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کیلئے وہی عمل ہے کارآمد ہیں جو اس نے خود کیے

ہوں۔'' (الموافقات، ج:3،ص:22)

(٦)۔جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسکے بیٹے عبداللہ (جو اسلام لا چکے تھے) اسکی گزارش پر اپنی قمیص عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو دی اور حکم دیا کہ اس میں اس کو کفن دیا جائے۔پھر اسکی نماز جنازہ پڑھانے کیلیئے اٹھے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کو پیچھے سے پکڑ لیا اور کہا: کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ وہ منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع بھی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے (یعنی ستر مرتبہ تک بخشش مانگنے سے منع کیا گیا ہے، ستر سے زائد دفعہ بخشش مانگنے سے منع نہیں کیا گیا)، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ''کہ تُو انکے لئے استغفار کر یا نہ کر اور اگر تو انکے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے تو پھر بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا''۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھائی۔اسکے بعد یہ آیت اتری کہ کسی بھی منافق کی موت پر اسکی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھانا۔'' (صحیح بخاری،رقم:1269)

اس روایت کو متعدد محدثین نے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے، اس روایت کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنے کی سخت تردید کی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا آیت سے اختیار کا مفہوم اخذ کرنا محل اشکال سمجھا گیا ہے۔اسی لئے اکابر اہل علم کی ایک جماعت نے، باوجود یہ کہ اس حدیث کی سندیں بہت سی ہیں اور شیخین اور صحیح احادیث جمع کرنے والے دوسرے محدثین اس کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو قبول کرنا جائز نہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ ایسا فرما سکتے ہیں۔تقریب میں قاضی ابوبکر الباقلانیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حدیث ان اخبار آحاد میں سے ہے جن کا ثبوت مشکوک ہے۔امام الحرمین (المتوفی:٤٧٨ھ) کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح احادیث کے زمرے میں نہیں ہے۔برہان میں کہتے ہیں کہ اس کو علماء حدیث صحیح تسلیم نہیں کرتے۔غزالیؒ مستصفی میں لکھتے ہیں کہ اسکا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے۔شارح

داؤدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔(حافظ ابن حجر، فتح الباری، ج:8،ص:338)

یہ بات تو بہت عام فہم ہے کہ قرآن میں ستر دفعہ کا عدد بطور کثرت استعمال ہوا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اس قدر کثرت سے بھی بخشش مانگی جائے گی تو منافقین معاف نہیں کیے جائیں گے، اس کا یہ مطلب حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ پر معافی ہوجائے گی نا قابل فہم اور نبی کریم ﷺ پر صریح جھوٹ باندھنا ہے۔ جسکی متعدد محدثین نے سخت تردید کی ہے۔

اسی لئے امام طحاویؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کسی کام سے منع کرے اور پھر نبی وہی کام کرے۔ ہمارے خیال میں یہ کسی راوی کا وہم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد روایات سے ثابت بھی کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔'' (الطحاوی، ابوجعفر، احمد بن محمد، مشکل الآثار)

(۷)۔ اُصولِ درایت کی بنا پر ہی صحیح بخاری کے بہترین شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفیٰ: ۸۵۲ھ) نے بھی بخاری شریف کی بعض آحاد پر کلام کیا ہے۔ جیسے حدیث نمبر (۶۲۲۷) جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا قد ۶۰ ہاتھ بتایا گیا ہے، اس پر آپؒ لکھتے ہیں:

''اقوام کے آثار سے جہاں تک پتا لگ سکا ہے، انسان کا قد اتنا بڑا ثابت نہیں ہوتا۔ اسلیے اب تک اس کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آسکی ہے۔''

(فتح الباری، ج:6،ص:260)

(۸)۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ایک جھگڑے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ سے کہا:

((اقض بیبی و بین ھذا الکذاب الاثم الغادر الخائن)) (صحیح مسلم رقم:4577)

''میرے اور اس جھوٹے گنہگار بدعہد اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے۔''

امام نوویؒ، امام رازیؒ سے نقل کرتے ہیں:

''اس روایت میں مذکور واقع یہ الفاظ بظاہر حضرت عباسؓ سے صادر نہیں ہو سکتے اور یہ ناممکن ہے کہ سیدنا علیؓ کی ذات میں ان میں سے کوئی ایک وصف بھی ہو۔اور ہمارا رسول اللہ ﷺ اور ان لوگوں کے علاوہ جن کے بارے میں آپ نے شہادت دی، کسی کے بارے میں بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں ہے۔ہمیں حکم ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ہر بُری بات کی ان سے نفی کریں۔جب تاویل کے تمام راستے بند ہو جائیں تو پھر ہم جھوٹ کی نسبت روایت کے راویوں کی طرف کریں گے۔''

(النووی، ابوزکریا یحیٰ بن شرف: شرح صحیح مسلم، دمشق، مکتبۃ الغزالی، ج:12،ص:72)

(۹)۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے اعضا کو تین تین مرتبہ دھویا اور پھر فرمایا: جس نے اس تعداد میں کمی بیشی کی، اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا۔'' (ابوداؤد، باب الوضو، رقم:135)

اس پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''اس کی سند عمدہ ہے لیکن امام مسلم نے اس کو عمرو بن شعیب کے منکرات میں شمار کیا ہے، کیونکہ ظاہر کے لحاظ سے یہ روایت تین مرتبہ سے کم دھونے والے کی مذمت کرتی ہے (حالانکہ صحیح روایات میں رسول اللہ سے ایسا کرنا ثابت ہے) (فتح الباری، ج:1،ص:233)

(۱۰)۔لبید بن عاصم یہودی نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا، جس کا اثر آپ ﷺ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ کام کرنے کے بعد بھول جاتے کہ آپ ﷺ نے اسے کیا ہے (یا نہیں)۔(صحیح بخاری، رقم:5763)

ممتاز حنفی عالم امام ابوبکر حصاصؒ اس روایت کی سخت الفاظ میں تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس طرح کی روایات ملحدین کی وضع کردہ ہیں۔اور ان لوگوں پر تعجب ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے معجزات کو، مانتے ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ جادوگر انبیاء پر عمل کر سکتے ہیں۔'' (احکام القرآن، ج:1،ص:46)

(۱۱)۔اہل بیت کا مسئلہ: اسی طرح اہل بیت کے حوالے سے قرآن کی یقینی نص سے بات ثابت ہے کہ ''بیویاں'' اہل بیت میں شامل ہیں،جیسا کہ خالق نے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۝﴾ (سورہ احزاب:33: آیت:33)

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت (نبی کی گھر والیو!) تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔''

اس آیت کریمہ پر مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''جس سیاق وسباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے،اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اہل البیت سے مراد نبی ﷺ کی بیویاں ہیں۔کیونکہ خطاب کا آغاز ہی (یا نساءء النبی) کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔اور ماقبل اور مابعد کی پوری تقریر میں وہی مخاطب ہیں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کیلئے بھی پروردگار نے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا:

﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۝﴾ (سورہ ھود:11:73)

''فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اہل بیت اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں،بے شک اللہ حمد وثنا کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔''

بیویوں کے اہل بیت ہونے پر قرآن کی یقینی نص وارد ہو جانے کے بعد اس ضمن میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔بلکہ اہل بیت ہونے کی اولین حقدار بیوی ہوتی ہے،اسکے بعد اس سے پیدا ہونے والی اولاد۔یہ بات تو مسلمات عقل کے بھی خلاف ہے کہ اولاد کو تو اہل بیت قرار دیا جائے لیکن جس کے بدن سے اولاد پیدا ہوئی اور جس نے اولاد کی پرورش کی،اولاد کو جوان کیا،جس کی بدولت گھر،گھر بنا وہ اہل بیت (یعنی اہل خانہ) میں شامل ہی نہیں؟ لیکن اسکے باوجود درج ذیل اخبار

آحاد کی بنیاد پر بعض لوگوں نے اپنے خاص ایجنڈے کے تحت بیویوں کو اہل بیت سے خارج کیا ہے:

- نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کو ایک چادر کے نیچے جمع کر کے سورہ احزاب کی آیت: ۳۳ پڑھ کر انہیں اہل بیت قرار دیا۔ (صحیح مسلم، رقم: 2424)
- مزید یہ کہ جامع ترمذی حدیث نمبر (3871) کے تحت آپ ﷺ کی ایک بیوی حضرت ام سلمہؓ جو اُس موقع پر وہاں موجود تھی، اس نے چادر کے تلے جمع ہو کر اہل بیت میں شامل ہونے کی درخواست کی تو اسے چادر تلے جمع نہ کیا گیا بلکہ فرما دیا گیا کہ تُم بھی خیر پر ہو۔ ابن جریرؒ (المتوفی: ۳۱۰ھ) کے مطابق سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس وقت میرے گھر میں تھے جب مذکورہ آیت کریمہ (سورہ احزاب، آیت: 33) نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا اور ایک چادر میں لے کر دعا کہ: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، تُو ان سے پلیدی دور فرما اور انہیں پاک فرما دے۔ سیدہ ام سلمہؓ کہتی ہیں میں دہلیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم خیر کی طرف ہو، تم ازواج نبی میں سے ہو۔" (ابن جریر، ج:10، ص:5)

انہیں روایات کی بنیاد پر مفسر کلبی اور سبائی فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مذکورہ آیت پنج تن پاک یعنی (نبی کریم ﷺ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی باقی تین صاحبزادیاں: سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ زینبؓ، یہ بھی تو اہل بیت رسول ﷺ سے ہیں، جنہیں ان سبائی اور رافضی لوگوں نے اہل بیت سے خارج کر دیا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں بھی درایت ومتن اور تطبیق کی بنا پر درست نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔

بطور نمونہ کچھ روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اس قسم کی کئی اور روایات بھی کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بلکہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جو سند کے اعتبار سے قوی ہیں، لیکن انکی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر سخت حرف آتا ہے۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تطبیق اور درایت ومتن کے اُصولوں

کوملحوظ رکھے بغیر محض سند کی بنا پر ایسی روایات سے استفادہ نہ کیا جائے۔

قرآن پر حقیقی ایمان اور اسکی حاکمیت کے متعلق کس قدر پختہ بات کی ہے ،حافظ ابوبکر الجصاصؒ (المتوفیٰ:۳۰۵ھ) نے قرآنی آیت:﴿اتبعوا ماانزل الیکم من ربکم﴾ کے تحت ،فرمایا:

''اس قرآنی آیت کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کا اتباع ہر حال واجب ہے اور قرآن پر اخبار آحاد کو بالا دستی حاصل نہیں ہے کیونکہ قرآن کی اتباع دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور آحاد کا ثبوت ظنی ہے۔اسلئے کسی حال میں کسی حدیث کی بنا پر قرآن کو نہ چھوڑا جائے گا اور نہ آحاد کی وجہ سے قرآن پر کوئی اعتراض ہوگا۔'' (احکام القرآن: ج:2،ص:28)

اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے بڑی حقیقت پسندانہ بات کی ہے، لکھتے ہیں:

''اصولِ درایت کو اصولِ حدیث میں شامل تو کرلیا گیا ،لیکن ارباب روایت نے اسے بہت کم برتا اور آج ان گنت روایتیں درایت کے خلاف قبول عام ہیں۔''

(علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان)

اہم نتیجہ! مذکورہ حقائق کی روشنی میں محض سند کی بنا پر ہر ہر روایت کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، جب تک درایت و متن کو بھی نہ دیکھ لیا جائے۔ بالخصوص حدیث کے حوالے سے اس فیلڈ کے ماہر مخلص علماء حضرات سے رہنمائی لینی ضروری ہے۔عام لوگوں کو قرآن حکیم سے زیادہ وابستگی رکھنی چاہیے اور جہاں حدیث کی ضرورت پڑے تو خود معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے مخلص اہل فن علماء حضرات سے استفادہ کرنا چاہیے۔

دوسری اہم بات یہ بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس قسم کی چند روایات کی بنا پر پورے ذخیرہ احادیث کو مشکوک قرار دے کر حدیث سے دستبردار ہونے سے بھی بچا جائے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ حدیث دین کا لازمی ماخذ ہے جس سے قرآن کی مزید تفصیل ہوتی ہے اور اس کے بغیر سنت کا عملی پہلو ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اسی راہ کو اسلاف (صحابہؓ، تابعین و تبع تابعینؒ) نے اختیار کیا ہے۔

۞۞۞۞۞

باب ۷

اصولِ روایت اور امام ابوحنیفہؒ کا امتیاز

بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ کوئی غلط بات آنحضور ﷺ کی طرف غلط منسوب نہ ہو جائے امام ابوحنیفہؒ اخبار آحاد کو قطعی کی بجائے ظنی تصور کرتے تھے اور اخبار آحاد پر اصولِ روایت میں درج ذیل مزید سخت شرائط کو بھی ملحوظ رکھا۔

(۱)۔ دیگر شرائط کے ساتھ ایک اور شرط کا اضافہ کیا:

''اگر روایت کا تعلق اسلام کی عام عملی زندگی سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا نقل کرنے والا ایک نہ ہو بلکہ صحابیؓ سے اس کو نقل کرنے والی ایک جماعت ہو اور جماعت بھی نیک اور پارسا لوگوں کی ہو، بطور حوالہ دیکھئے امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی رائے۔'' (المیز ان الکبریٰ، ج:1،ص:62)

(۲)۔ ''جو حدیث حضور ﷺ سے منقول ہو اسکی بابت امام ابوحنیفہؒ عمل سے قبل یہ شرط لگاتے تھے کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئے۔''

(المیز ان الکبریٰ:1،ص:62)

یعنی حدیث اگرچہ صحابیؓ کی ذات تک خبر واحد ہو مگر اسکے بعد اسے نقل کرنے والے بہت سے متقی اور پارسا راوی ہوں۔ یعنی صحابہ کرام سے گزرنے کے بعد قرن ثانی اور قرن ثالث میں وہ متواتر ہو۔

''احادیث کی شہرت کا اعتبار قرن دوم اور سوم میں ہوگا۔ قرون ثلاثہ کے بعد شہرت کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں اخبار آحاد مشہور ہو گئی تھیں حالانکہ ان کو مشہور نہیں کہتے۔''

(کشف الاسرار)

(۳)۔ اخبار آحاد: اخبار آحاد کے متعلق حافظ ابن عبدالبرؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا اصول یوں بیان فرمایا ہے:

''امام ابوحنیفہؒ اخبار آحاد کو اپنے یہاں جمع کردہ احادیث اور معانی قرآن پر پیش فرماتے تھے۔ان حدیثوں میں جو اپنے معنی میں منفرد ہوتی تھیں ان کو ترک کر دیتے اور ان کا نام شاذ رکھتے۔'' (الانتقاء، ص:149)

حافظ ابوجعفر طحاویؒ (المتوفی:۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ حدیث جب شریعت کے موافق ہو،قرآن اسکا مصداق ہو اور آثار اسکے موید ہوں تو ایسی حدیث کی تصدیق واجب ہے۔لیکن اگر حدیث شریعت کے خلاف ہو،قرآن اسکی تکذیب کرتا ہو تو ایسی حدیث کا رد کرنا ضروری ہے اور یہ اس بات کی کھلی نشانی ہے کہ یہ فرمودہ نبوت نہیں ہے۔'' (المعتصر ،ص:462)

مشہور محدث ابوبکر خطیب بغدادیؒ (المتوفی:۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

''اخبار آحاد کو مندرجہ ذیل صورتوں میں قبول نہ کیا جائے گا جب:(۱)۔عقل صریح کے خلاف ہو،(۲)۔جب حکم قرآنی کے خلاف ہو،(۳)۔جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو،اور (۴)۔جب کسی ایسے عمل کے خلاف ہو جو سنت کے قائم مقام ہو کر چل رہا ہو،اور (۵)۔جب کسی بھی دلیل قطعی کے خلاف ہو۔'' (الکفایہ:ص:432)

حافظ ابوبکر الحصاصؒ (المتوفی:۳۷۰ھ) نے قرآنی آیت:﴿**اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم**﴾ کے تحت لکھا:

''اس قرآنی آیت کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کا اتباع ہر حال واجب ہے اور قرآن پر اخبار آحاد کو بالادستی حاصل نہیں ہے کیونکہ قرآن کی اتباع دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور آحاد کا ثبوت ظنی ہے۔اسلئے کسی حال میں کسی حدیث کی بنا پر قرآن کو نہ چھوڑا جائے گا اور نہ آحاد کی وجہ سے قرآن پر کوئی اعتراض ہوگا۔'' (احکام القرآن:ج2:،ص:28)

علامہ عبدالعزیز بخاری نے لکھا:

''ثقہ راوی کی حدیث کو قرآن کے مخالفت کی بنا پر رد کرنا سب کے درمیان اتفاقی ہے۔علاوہ ان ظاہریہ کے جو اخبار آحاد کو بھی متواتر کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ان کے مکتب میں خبر واحد اور کتاب اللہ کو ایک ترازو میں تولا جاتا ہے۔ان سے اس موضوع پر بات کرنا ہی بیکار ہے۔''

(کشف الاسرار: ج:3،ص:10)

الغرض دوسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر اخبار آحاد کے بارے میں واضح اور صاف یہ تھا کہ خبر واحد اگر شریعت کے کسی مسلمہ قاعدے کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں ہے۔علامہ شاطبیؒ نے امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربیؒ نے بھی امام مالکؒ کا رائج مسلک یہی قرار دیا ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اگر خبر واحد کسی قاعدہ شریعت کے معارض ہو تو کیا اس پر عمل جائز ہے؟امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔اور امام مالکؒ کا قول مشہور اور قابل اعتماد یہی ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل جائز ہے اور اگر نہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔''

(۴)۔خبر واحد میں راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو،جیسے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث روایت کہ کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے۔لیکن انکا اپنا فتویٰ اس روایت کے خلاف تھا۔اسلئے امام ابوحنیفہؒ نے اس روایت پر عمل ترک کر دیا۔

(۵)۔اہل ہویٰ (یعنی بدعتی) سے روایت:امام ابوحنیفہؒ کی رائے:

''سب اہل ہویٰ سے روایت لے سکتے ہو بشرطیکہ وہ عادل ہوں لیکن روافض سے روایت نہ لینا کیونکہ ان کے عقیدے کی عمارت حضور کے صحابہؓ کی تذلیل پر ہے۔''

(الکفایہ فی علوم الروایہ،ص:136)

امام مالکؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کے ہم زبان ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ روافض سے روایت نہ لو۔

امام ابوحنیفہؒ پر محدثینؒ کا اعتراض

تیسری صدی ہجری میں امام بخاریؒ سمیت بعد والے محدثین رحمہم اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو بڑے آڑے ہاتھوں لیا ہے، انہیں اہل الرائے کہا ہے۔اس ضمن میں امام صاحبؒ پر درج ذیل دو بنیادی اعتراضات کیے گئے ہیں:

(۱)۔حدیث کے مقابلے میں قیاس اور رائے کو ترجیح دے کر ان گنت احادیث کے خلاف رائے دی ہے۔

(۲)۔مرسل اور منقطع سے استدلال کرنا، جیسا کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں نکتہ اٹھایا۔

مرسل: وہ روایت جسے تابعی، صحابی کے واسطے کے بغیر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرے۔

منقطع: جسکی سند متصل نہ ہو، رسی ٹوٹی ہوئی ہو۔

نوٹ: دلائل کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ پر مذکورہ اعتراضات کی حقیقت تو ہم کھولیں گے۔لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ امام صاحبؒ معصوم عن الخطا ہیں کہ ان کی ہر بات عین حق ہوگی۔وہ نبی نہیں ہیں، انہیں بھی خطا لگ سکتی ہے۔لیکن حقائق سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بات پر اعتراض نہیں کیا بلکہ درایت و متن کے اصولوں کی روشنی میں ان کا اعتراض اسناد میں موجود راویوں پر ہے۔لیکن اس اعتراض کرنے میں بھی خطا لگ سکتی ہے۔لہٰذا حسن نیت اور بین دلائل ہی ہمارے لیے حرف آخر ہونے چاہئیں۔

(۱)۔حدیث پر قیاس اور رائے کو ترجیح دینا: بہت سی اخبار آحاد ہیں جنہیں محض سند کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرنے سے گریز کیا ہے، جیسا کہ:

(أ)۔قربانی کے جانور کو اشعار (اونٹ کے کوہان سے چیر ا دے کر نشان زدہ) کرنے کے متعلق (جامع ترمذی، ابواب الحج، رقم:906) میں روایت موجود ہے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابراہیم نخعیؒ نے اس فعل کو مکروہ اور مثلہ قرار دیا ہے۔جبکہ امام وکیعؒ نے ان کی رائے پر سخت جرح کرتے ہوئے انکے

قول کوفرمان نبوی ﷺ کی نافرمانی قرار دیا ہے۔اس ضمن میں امام صاحبؒ نے محض سند کی بنا پر فیصلہ کرنے کی بجائے درایت ومتن کی روشنی میں جانور کو اذیت دینے اور قرآن میں ھدی (قربانی کے جانور) کے گلے میں بطور نشانی پٹہ ڈالنے پر آیات کی روشنی میں،اس روایت کی نبی کریم ﷺ کی طرف غلط نسبت کی بنا پر مذکورہ رائے دی ہے۔

(iا)۔خیارِ مجلس: (سنن نسائی، رقم:4470) کی روایت میں نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق خرید وفروخت کرنے والے دو اشخاص میں سے ہر ایک کو اختیار رہوتا ہے کہ وہ جدا ہونے سے قبل سودا واپس کر لیں۔"

اس روایت پر امام ابوحنیفہؒ نے رائے دی کہ: دیکھو اگر وہ کشتی میں سودا کر رہے ہوئے تو؟ یعنی اگر کشتی میں سودا کریں گے تو کب جدا ہوں گے۔؟

امام صاحبؒ کی اس رائے پر امام سفیان بن عینیہؒ سمیت بعض سلف نے بہت تنقید کی ہے۔نبی کریم ﷺ کے فرمان پر ایسی رائے دینا تو یقیناً آپ ﷺ پر ایمان کے منافی اور بہت بڑا خسارہ ہے۔کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔اگر امام صاحبؒ نے واقعتاً آپ ﷺ کی بات پر ہی اعتراض کیا ہے تو پھر انکے پلے کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔امام صاحب تو بہت بلند پایہ فقیہ ہیں کوئی عام مسلمان بھی آپ کی بات پر اعتراض کا نہیں سوچ سکتا۔لہٰذا درایت ومتن کی روشنی میں امام صاحبؒ کا یہ اعتراض راویوں پر ہی ہوگا نہ کہ نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ پر۔کیونکہ خیار مجلس کی روایات کی توثیق عملِ اہل مدینہ سے نہیں ہوتی۔اسلئے امام مالکؒ بھی ان روایات پر عمل نہیں کرتے تھے،جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے واضح لکھا:

"امام مالکؒ خیار مجلس کی روایات پر عمل نہیں کرتے کیونکہ یہ عمل اہل مدینہ کے معارض ہیں۔" (المرجع السابق)

اس ضمن میں شاہ ولی اللہؒ نے لکھا:

"یہ حدیث (یعنی خیار مجلس کی) صحیح ہے،متعدد طریقوں سے مروی ہے۔اس پر صحابہؓ میں

سے ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ نے عمل کیا ہے۔لیکن یہ حدیث فقہاء سبعہ (فقہاء مدینہ یعنی مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا حضرات) اوران کے معاصرین کے دور میں ظاہر نہیں ہوئی۔اس لئے فقہاء سبعہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔اور امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے فقہاء سبعہ کے عمل نہ کرنے کو اس حدیث کی صحت میں علت قادحہ سمجھا ہے۔" (شاہ ولی اللہ، الانصاف،ص:30)

نوٹ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ درایت و متن کے اصول چونکہ دوسری صدی ہجری کے بعد سے کما حقہ روانہیں رہ سکے۔اسلئے شاہ ولی اللہؒ کا حدیث کو صحیح قرار دینا بھی محض سند کی بنا پر ہی ہے۔

مزید یہ کہ "نافع" جو کہ مذکورہ حدیث کے راوی بھی ہیں ان کا اپنا عمل بھی اس حدیث پر نہ تھا، جیسا کہ امام ابوبکر خطیب بغدادیؒ نے اپنی تصنیف میں واضح کیا، دیکھئے:

(الکفایہ فی علوم الروایۃ،ص:114)

پس معلوم ہوگیا کہ امام صاحبؒ کا خیار مجلس والی روایت پر کلام درایت و متن کی بنا پر راویوں پر ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ پر (نعوذ باللہ)۔

(iii)۔اسی طرح مصنف ابی ابن شیبہ میں پورا باب موجود ہے جن میں کئی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے، جن میں امام صاحبؒ کی رائے روایات کے برعکس ہے۔

جہاں تک معاملہ حدیث کے مقابلے میں قیاس اور رائے کو ترجیح دینے کا ہے، تو یہ بات تو ایک عام شخص بھی جانتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان مبارک کے مقابلے میں کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ حکم رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنی رائے دینے والا تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔اس تحریر سے یہ حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ہوگی کہ اس بات کی یقینی تصدیق کیلئے کہ کوئی غلط بات آنحضور ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے امام ابوحنیفہؒ نے خبر واحد کو ظنی قرار دیتے ہوئے درایت کے سخت اصول وضع کیے تھے۔اور جب تک روایت ان اصولوں پر پورا نہ اترتی وہ اسے آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کرتے بلکہ اسے موضوع خیال کرتے۔

اطاعت رسول (ﷺ) کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ نے اپنا نقطہ نظر یوں واضح کیا ہے:

☆ ﴿اِذا صح الحدیث فھو مذھبی﴾ (ردالمحتار، حاشیہ درمختار، ج:1،ص:68)

''جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔''

اور صحیح سے مراد محض سند کا صحیح ہونا نہیں بلکہ سند کے ساتھ درایت کا درست ہونا بھی ہے۔

☆ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ سے حدیث صحیح سند سے آئے ہم اسی کو لیتے ہیں اور اس سے آگے نہیں جاتے۔ (الانتقاء:ص:144)

☆ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا: اگر آپ کا قول قرآن حکیم کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ قرآن کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا: اگر آپ کا قول سنت رسول ﷺ کے خلاف ہو تو کیا کیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ سنت رسول ﷺ کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا: آپؒ کا قول اگر صحابہ کرامؓ کے برعکس ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ فرمایا: صحابہؓ کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔'' (حقیقۃ الفقہ، ص:69)

☆ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''اگر مجھے کتاب وسنت میں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو میں اقوالِ صحابہؓ پر عمل کرتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کے اقوال سے تجاوز کر کے کسی اور کا قول لوں۔'' (الانتقاء:ص:141)

☆ امام ذہبیؒ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا:

''میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں، اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ اور ان حدیثوں سے کہ جو ثقات (پختہ کردار) کے ہاتھوں میں ثقات کے ذریعے شائع ہوئی ہیں۔ پھر اگر یہاں بھی نہ ملے تو آپ ﷺ کے اصحاب سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب بات ابراہیم نخعی (المتوفی:۹۶ھ)، شعبیؒ (المتوفی:۱۰۹ھ)، حسن بصریؒ (المتوفی:۱۱۰ھ) اور عطا بن ابی رباحؒ (المتوفی:۱۱۴ھ) پر آپڑتی ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی

اجتہاد کرتا ہوں۔'' (مناقب ابی حنیفہ امام ذہبی، ص:20)

☆ امام مکیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے:

''روایات کا رد نبی کی تکذیب نہیں ہے، بلکہ اس کی تکذیب ہے جو غلط بات کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے (جس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے)۔ ورنہ آپ ﷺ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ اس پر ہمارا ایمان ہے اور یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو اور نہ کوئی بدعت یعنی نئی بات اپنی طرف سے کہی۔''

(مناقب ابی حنیفہ، ص:99)

یہ تو حقیقت تھی حدیث کے مقابلے میں ''قیاس اور رائے کو ترجیح دینے'' کے حوالے سے۔ اب دوسرا نکتہ کہ ''مرسل اور منقطع سے استدلال کرنا''، تو حقیقت حال کچھ یوں ہے۔

دوسری صدی ہجری کے مولفین کو چونکہ براہ راست تابعین سے واسطہ تھا اسلئے نہ انہیں اسناد کے بارے میں زیادہ تحقیقات کی ضرورت تھی اور نہ اتصال سند کی اہمیت۔ ان کے یہاں مسند (جس کی سند ملی ہوئی ہو) اور مرسل کی کوئی تفریق نہ تھی۔ مرسل بھی مسند کی طرح ہی حجت تھی۔ کیونکہ صحابی کے بعد روایت کا اگلا واسطہ تابعین تھے جو انکے ہم عصر تھے اور انکے تقویٰ وعدل سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا اس دور میں سند سے زیادہ عدالت کی ضرورت تھی جس کی تصدیق کرنا اس دور میں باہم ہم عصر لوگوں میں نسبتاً آسان تھا۔ حافظ ابن جریرؒ فرماتے ہیں:

''تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول پر متفق تھے، ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی بھی امام سے دوسری صدی کے اختتام تک اسکا انکار ثابت نہیں ہے۔''

(توضیح الافکار، ج:1، ص:291)

اس ضمن میں امام ابوداوٗدؒ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ:

''باقی رہیں احادیث مرسلہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو گزشتہ علماء مثلاً سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ سب ہی قابل استدلال سمجھتے تھے تا آنکہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں

نے اس پر لب کشائی فرمائی اور امام احمدؒ نے بھی اس موضوع پر انکا اتباع کیا۔''

(تعلیقات علیٰ شروط الائمۃ الخمسہ :ص:45)

دوسری صدی ہجری میں مراسیل کے حجت ہونے پر مذکورہ اصول کی شاہ ولی اللہؒ نے بھی (الانصاف)میں تائید کی ہے۔

لیکن تیسری صدی ہجری میں امام شافعیؒ،امام احمد بن حمبلؒ اور بعد میں آنے والے محدثین امام بخاریؒ،امام مسلمؒ...... نے اسنادی وسائط میں زیادتی کی وجہ سے احتیاط کی بنا پر مراسیل اور مقطوع کی تردید کی جوکہ اس زمانے کے لحاظ سے وقت کی ضرورت تھی۔

تاہم امام ابوداوُدؒ،امام بیہقیؒ،امام نویؒ...... نے صحابہ کرامؓ کے مراسیل کو حجت قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں حافظ ابن رجب حنبلیؒ (1395ء) نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اس اصول کے فرق پر اپنا نقطہ نظر یوں واضح کیا ہے:

''دونوں کے نقطہ نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔محدثین کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے محدثانہ اور روایتی نقطہ نظر سے انقطاع اور عدم اتصال کی بنا پر اگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔اور وہ مرسل ہے تو وہ درجہ صحت میں آجائے اور فقہاء یعنی دوسری صدی کے محدثین کی نظر اسکی اسناد پر نہیں بلکہ انکے معنی پر ہوتی ہے جو حدیث مرسل میں بیان ہو رہے ہیں اور اس کی پشت پر ایسے قرائن موجود ہیں جو ان معنی کی صحت کی دلیل ہیں۔''

(تعلیقات علیٰ شروط الائمۃ الخمسہ :ص:45)

یعنی تیسری صدی کے محدثین کی نظر اسناد پر جبکہ دوسری صدی میں معنی پر کیونکہ وہ ایسے دور میں ہیں جس میں اسناد کی تحقیق کی چنداں ضرورت نہیں۔

احناف کے اُصولِ روایت پر مولانا مودودیؒ کی رائے

اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے بہت عظیم رہنمائی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''دراصل آپ لوگ (یعنی اہل حدیث) جس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ یہی ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اجتہادِ تفقہ کو حدیث رسول ﷺ پر ترجیح دیتے ہیں یا دونوں کو ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔حالانکہ اصل واقعہ یہ نہیں ہے۔اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو،اسکی نسبت کا صحیح ومعتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا ہے۔آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول ﷺ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے ضروری قرار دیں۔لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ہم (محض) سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ہمارے نزدیک اسناد کی صحت حدیث کی صحت معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ نہیں ہے بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسول ﷺ ہونے کا ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ہم متن پر غور کرنا،قرآن وحدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے اسکا لحاظ کرنا اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت ثابتہ ہمیں معلوم ہو،اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔پس ہمارے اور آپکے درمیان اختلاف اس امر میں نہیں ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ اور اجتہادِ مجتہد میں مساوات ہے یا نہیں بلکہ اختلاف دراصل اس امر میں ہے کہ روایات کے ردو قبول اور ان سے احکام کے استنباط میں ایک محدث کی رائے بلحاظِ سند اور مجتہد کی رائے بلحاظِ درایت کا مرتبہ مساوی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ دونوں میں سے کس کی رائے زیادہ وزنی ہے؟ اس باب میں اگر کوئی شخص دونوں کو ہم پلہ قرار دیتا ہے تب بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے تب بھی کسی گناہ کا

ارتکاب نہیں کرتا۔لیکن آپ لوگ اس کو گنہگار بنانے کیلئے اس پر خواہ مخواہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کو حدیث رسول ﷺ مان لینے کے بعد پھر کسی مجتہد کی رائے کو اس کا ہم پلہ یا اس پر قابل ترجیح قرار دیتا ہے۔حالانکہ اس چیز کا تصور بھی کسی مومن کے قلب میں جگہ نہیں پا سکتا۔''

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیمات لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، جلد: 1, ص: 368)

اسی حوالے سے تفہیمات میں بہت عمدہ رہنمائی کی ہے، لکھتے ہیں:

''یہ لوگ (یعنی اہل حدیث) محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرامؒ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے۔اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کردیے ہیں، انہیں کے مطابق ہم ان کو اعتبار و حجیت کا مرتبہ دیں۔مثلاً جو قوی الاسناد ہے اسکے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں۔محدثینؒ کی خدمات مسلم (تسلیم شدہ)، یہ بھی مسلم کہ نقدِ حدیث کیلئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے، وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔کلام اس میں نہیں، بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔انسانی علم کیلئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کررکھی ہیں، ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے، اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں، وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو ان کو بھی نہیں تھا۔'' (تفہیمات: ج:1،ص:318)

پھر لکھتے ہیں:

''محدثین کرامؒ نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا۔جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے۔مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔'' (تفہیمات: ج:1،ص:319)

''نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا

بُری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔ یہ امکان محض امکانِ عقلی نہیں بلکہ امر کا ثبوت موجود ہے۔'' (تفہیمات:ج:1،ص:319)

اسکے بعد مزید لکھتے ہیں:

''اس قسم کی مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسماء الرجال کا سارا علم غلط ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جن حضرات نے رجال کی جرح وتعدیل کی ہے، وہ بھی تو آخر انسان تھے، بشری کمزوریاں انکے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو، وہ بالیقین ثقہ، اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھرایا ہو، وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔'' (تفہیمات:ج:1،ص:321)

پھر فرماتے ہیں:

''ان سب چیزوں کی تحقیق انہوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے۔ مگر لازم نہیں کہ روایت کی تحقیق میں یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں، وہ درحقیقت منقطع ہو......... یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بنا پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبوی ﷺ اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔'' (تفہیمات:ج:1،ص:321-322)

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کی رائے

اسی ضمن میں جماعت اسلامی کے اہم کارکن ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے:

''بسا اوقات منکرینِ حدیث کی فہرست تیار کرنے میں بے جا افراط سے کام لیا جاتا ہے۔ اور بعض ان علمائے اسلام کو بھی اسی زمرہ میں شامل کر دیا جاتا ہے جو احادیث کی

حجیت کو تو تسلیم کرتے ہیں، البتہ انہوں نے اپنی تحریروں میں بعض باعتبارِ سند صحیح احادیث پر کلام کیا ہے اور درایت کی کسوٹی پر رکھ کر انہیں قبول کرنے میں تامل کا اظہار کیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان کا تجزیہ درست نہ ہو اور وہ احادیث باعتبارِ روایت اور باعتبارِ درایت دونوں پہلوؤں سے صحیح ہوں۔ ماہرین علوم الحدیث کو ان علماء کی آراء کا محاکمہ کرنے اور انکی غلطیوں کو واضح کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔لیکن محض اس بنیاد پر انہیں منکرین و متشککینِ حدیث کی فہرست میں شامل کرنا درست رویہ نہیں ہے۔محدثین کرامؒ کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ "ممکن ہے بعض احادیث باعتبار سند صحیح ہوں، لیکن باعتبار درایت صحیح نہ ہوں۔اس اصول کی روشنی میں انہوں نے بعض احادیث کو قبول نہیں کیا ہے اور انہیں موضوع تک قرار دیا ہے۔(لیکن) دیگر محدثین نے انکی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے اور ایسی احادیث کی مختلف توجیہیں کی ہیں، لیکن ان پر انکارِ حدیث کا الزام نہیں لگایا ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ حضرت ابوسفیانؓ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور انکے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے گریز کرتے تھے۔انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے نبی ﷺ میری تین گزارشات قبول فرمالیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے: انہوں نے پہلی گزارش یہ کی کہ میرے پاس وہ عورت ہے کہ تمام عربوں میں حسین اور خوبصورت ہے، میری بیٹی ام حبیبہؓ ، اس سے نکاح کرلیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے...... الخ" (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، رقم:6409)

اس روایت کی سند پر (بھی) بڑا اشکال یہ ہے کہ ابوسفیانؓ نے فتح مکہ پر ۸ھ میں اسلام قبول کیا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اس سے قبل ہی ۶ یا ۷ھ میں سیدہ ام حبیبہؓ بنت سفیانؓ سے نکاح کر چکے تھے۔ تو پھر مذکورہ درخواست کے کیا معنی؟ بعض محدثین نے اس

روایت کو صحیح قرار دینے کیلئے اسکی مختلف توجیحات کی ہیں لیکن علامہ ابن حزمؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور ایک راوی عکرمہ بن عمار کی گھڑی ہوئی روایت قرار دیا ہے۔ جبکہ شیخ ابن الصلاحؒ نے عکرمہ کو ثقہ راوی بتایا ہے اور ابن حزمؒ پر سخت تنقید کی ہے۔ لیکن کسی نے بھی ابن حزمؒ کو منکرینِ حدیث قرار نہیں دیا۔ اسی طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسی کو منکر و مشککِ حدیث قرار دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور انکارِ حدیث کی نسبت صرف انہی لوگوں کی طرف کرنی چاہیے جنہوں نے احادیث کی حجیت کو چیلنج کیا ہے اور انہیں من حیث الکُل قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔''

(علوم الحدیث، مرتب سلفی رفیق احمد لاہور، دارالکتب السّلفیہ ص:320، 2010ء)

✡✡✡✡✡

باب ۸

امام ابوحنیفہؒ کے اصولِ روایت اور انکے پیروکار

کہاں امام ابوحنیفہؒ جو سند کے اعتبار سے صحیح ثابت شدہ احادیث کو بھی درایت کے فلٹر سے گزارے بغیر قبول نہ کرتے کہ کہیں کوئی جھوٹی بات آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے اور قرآن کی حاکمیت پر حرف نہ آئے۔ اور کہاں الا ماشاء اللہ فی زمانہ انکے پیروکار کہ امام صاحبؒ کی شان وعظمت میں من گھڑت واقعات منسوب کرنے اور ضعیف وموضوع روایات کی لپیٹ میں آکر قرآن کی حاکمیت سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب ہو جانے کی ہلاکت میں بھی گرفتار ہو چکے ہیں۔ سلفی (اہل حدیث) مکتبہ فکر نے اپنے اصول یعنی سند کے صحیح ہونے کو تو مظبوطی سے ملحوظ رکھا ہوا ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے مکتبہ اہل حدیث کی خوبی بیان کی:

> ''آپ دیکھ لیجیے کہ اہل حدیث کس طرح قرآن وحدیث کے متبع ہیں۔ آپ ساری دنیا میں سے ایک صحیح حدیث ایسی نہیں دکھا سکتے جسکی مخالفت اہل حدیث نے کی ہو..... الخ''

(اعلام لموقعین)

اسکے برعکس الا ماشاء اللہ حنفی مقلدین اصول درایت کو تو نظر انداز کر ہی چکے ہیں۔ انہیں تو الا ماشاء اللہ سند کا بھی کوئی خاص لحاظ نہیں رہا۔ عقیدہ وعمل میں ان گنت ضعیف روایات کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ معمولی کاموں پر بخشش وجنت کی ڈگریاں اور چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں پر شدید گرفت وعذاب کی دھمکیاں واعظین کی زبان عام ہیں۔ اس مسئلے کو کھول کر بیان کرنے کیلئے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ اس ہلاکت کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یوں واضح کیا ہے: کتب احادیث کے چار طبقات بیان کرنے کے بعد فرمایا، وہ احادیث جو:

''صوفیاء اور مورخین کی زبان پر جاری رہتی ہیں یا ان کے قلم سے نکلتی ہیں وہ ان چاروں طبقاتِ حدیث میں ڈھونڈ نے سے نہیں ملتیں۔ من جملہ اس کے وہ روایات ہیں جو ملحد اور بے باک لوگوں نے حدیث کے نام پر رکھ کر مروج کی ہیں اور انکے لئے اسناد گھڑنے میں یہ کمال ہے، کہ کوئی ان پر جرح بھی تو نہیں کرسکتا اور عبارات اس قدر فصیح و بلیغ کہ بادی النظر میں یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ سچ مچ آنحضرت ﷺ کی ہی حدیث ہے۔ اس قسم کی نام نہاد حدیثیں مسلمانوں کے حق میں بڑا فتنہ اور ایک عظیم مصیبت ہیں''

(حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، جلد۔۱، ص۔۴۵۴)

مزید فرمایا:

''ان (صوفیاء) حضرات کے اقوال واحوال لوگوں کے دلوں پر کتاب وسنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز واشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز واشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو یعنی انکا موقعہ بے موقع ذکر نہ کرے وہ نہ تو مقبول ہوتا ہے اور نہ ہی صالحین میں شمار ہوتا ہے۔''

تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''رسالت کا حقیقی تصور، باب۔٦''

احناف سے التجا ہے کہ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اصولِ روایت کے متعلق اپنے عظیم رہنما امام ابوحنیفہؒ کے اصولوں کا کچھ تو لحاظ رکھیں۔

اسلام اور تقلید

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے اصولِ حدیث کے حوالے سے اہم ترین حقائق کی تبین وتوضیح کے بعد تقلید اور اہل تقلید کی بابت کچھ ضروری معلومات سے مختصراً آگاہی پیش خدمت ہے۔

<u>اسلام میں تقلید کا حکم:</u> بنیادی دین کی تفہیم تو ہر ایک پر ضروری ہے۔ لیکن ہر عامی شخص کیلئے دین کو گہرائی سے سیکھنے کا تقاضا نہیں کیا گیا۔ اسکے لئے اہل علم کی پیروی کی سبیل ہی مقرر کی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہؓ و تابعین، تبع تابعین، مجتہدین ائمہ، فقہا و محدثین اور مخلص اہل علم علماء حضرات.... رحمہم

اللہ ہمارے لئے بہت بڑی نعمت اور مشعل راہ ہیں۔ عقل و بصیرت کی روشنی میں حدود و قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحیح روش یعنی (اطیعو اللہ و اطیعو الرسول) کے تحت ان سے استفادہ اور پیروی کرنی چاہیے۔ لیکن انہیں معصوم عن الخطا سمجھتے ہوئے انکی اندھادھند جامد تقلید اسلام کے منافی ہے۔

تقلید کا معنی: لغت کی مشہور اور مستند کتب کے مطابق تقلید کا لغوی معنی ''بلا دلیل پیروی کرنا یا آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا ہے'' اور اصطلاحی معنی ''بغیر دلیل ایسے شخص کی پیروی کرنا جو نبی نہ ہو''

آنحضور ﷺ کی وفات مبارک کے 400 سال بعد تقلید کا آغاز ہوا جس کی جڑیں وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی گئیں، بالاخر لوگوں نے پانچ آئمہ کرام (1) امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔148ھ)، (2) امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔150ھ)، (3) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔179ھ)، (4) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔204ھ)، (5) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔241ھ) میں سے کسی ایک امام کی بے دلیل پیروی کو اپنے اوپر لازم کرتے ہوئے واجب قرار دے دیا جبکہ باقی چار اماموں کی پیروی کو سخت ممنوع قرار دے دیا۔ ایک امام کی بے دلیل پیروی کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جس کسی نے جس علاقہ میں پرورش پائی وہاں جو مسلک رائج تھا وہی اسکے نزدیک صحیح ترین بن گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''**حجۃ اللہ البالغہ**'' میں اندھی تقلید کو تحریف دین کے عظیم ترین اسباب میں سے ایک سبب کہا ہے اور لکھا ہے کہ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ امام کے قول کی خاطر لوگ صحیح حدیث کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ اُنھوں نے جائز تقلید کو یوں بیان کیا:

> ''جس تقلید کو علمائے اُمت نے جائز قرار دیا وہ یہ ہے کہ آدمی کسی عالم مجتہد کے قول کا اتباع کرے لیکن ساتھ ہی یہ اس کا مستحکم عقیدہ ہو کہ وہ ایک غیر معصوم انسان ہے اس کا قول غلط بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ علماء کا یہ متفق علیہ قول ہے جسے عقائد کی کتابوں میں بھی لکھا گیا ہے کہ ﴿**المجتهد يخطى و يصيب**﴾ یعنی مجتہد کا قول کبھی غلط بھی ہوتا ہے اور کبھی درست'۔ ایسے مقلد کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہے کہ اگر

اُس کوامام کے قول کے خلاف کوئی بات مل جائے تو وہ فوراً اُسے ترک کر کے حدیث کا اتباع کرے گا۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ: حصہ اول،ص418،مترجم،مطبوعہ الفیصل)

کیا سلف صالحین موجودہ لوگوں کی طرح تقلید کرتے تھے؟

اس حوالے سے حقیقت حال کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں واضح کیا ہے:

''چوتھی صدی ہجری تک یہ کیفیت تھی کہ لوگ بالخصوص کسی ایک مذہب کی تقلید کرنا اور صرف اسی کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے جیسے کہ واقف حال علماء سے مخفی نہیں۔امر واقع یہ ہے کہ لوگوں کی دو جماعتیں تھیں،علماء اور عوام ،عوام کا یہ حال تھا کہ مسائل اجماعیہ جن میں کسی مجتہد کا اختلاف نہیں وہ صاحب شرح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اور عمل پر کاربند ہوتے تھے۔وضو،غسل،نماز اور روزہ وغیرہ کی کیفیت اپنے گھر کے بزرگوں یا اپنے شہر کے کسی عالم سے سیکھا کرتے تھے۔جب کوئی واقعہ پیش آتا جس کا حکم شرعی معلوم کرنا چاہتے تو وہ کسی عالم سے پوچھ لیتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے،اس عالم کی بابت یہ تفتیش نہیں کرتے تھے کہ وہ کس مذہب کا عالم ہے........اگر مجتہدین کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں سے کسی ایسے قول کو اختیار کرتے جو ان کے نزدیک زیادہ قابل وثوق واعتماد ہوتا قطع نظر اس کے کہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا مذہب ہو۔جب ان کو مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کے مطابق بھی حکم کی تصریح معلوم نہ ہوسکتی تو وہ مجتہد فی المذہب کے طور پر حکم کی تخریج عمل میں لاتے۔جن آئمہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر تخریج کرتے ان کی طرف ان کو منسوب کیا جاتا مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ شافعی ہے یا حنفی۔چنانچہ اہل حدیث علماء میں سے جس کے اکثر مجتہدات کسی مشہور امام مجتہد کے موافق ہوتے اس کو بعض اوقات اسی امام کی طرف منسوب کیا جاتا، نسائی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ کو اسی بنا پر شافعی کہا جاتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ:501-500،حصہ اول،مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

اس کے بعد صفحہ 501 کے حاشیہ پر اس بات کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

''یہاں اس بات پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ یہ مشہور ہے اور بعض تذا کر حیات میں بھی لکھا ہوتا ہے کہ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ شافعی تھے اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ منسوب بہ شافعی تھے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کے اصول فقہ وتشریح کو پیش نظر رکھ کر اجتہاد کرتے تھے ورنہ درحقیقت وہ اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ الغرض یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں اکثر علماء مبتلا ہیں اس لئے اس نقطہ کو اچھی طرح یاد رکھیں ان سطور میں شاہ صاحب نے اسی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔''

تقلید کا آغاز تو مذکورہ شروط اور حدود وقیود کے تحت ہی کیا گیا تھا لیکن فی زمانہ حقیقت حال اسکے برعکس ہے جس کی نشاندہی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں کی:

''اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو (ہمارے زمانے کے) علمائے سوء کو دیکھو، جو دنیا کی طلب اور (اپنے) سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کتاب وسنت کی نصوص (دلائل) سے منہ پھیرتے ہیں اور کسی (اپنے پسندیدہ) عالم کے تعمق (چھان بین)، تشدد (سختی) اور استحسان (حسن کا اعتقاد رکھنا) کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ جو معصوم ہیں (انکے) کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تاویلوں کو گلے لگا لیا ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ہلاک ہوگئے ہیں''۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ 11-10)

بریلوی مکتب فکر کے بہت بڑے سکالر علامہ غلام رسول سعیدی صاحبؒ جنہوں نے تبیان القرآن، شرح مسلم کے علاوہ کئی کتب لکھیں۔ آپؒ نے بڑے زبردست انداز میں حق بات کو یوں واضح کیا:

''ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تمام آئمہ شریعت اور علماء طریقت اور مرجع انام اساتذہ اور علماء اپنے تمام اعزاز واکرام کے باوجود بندے اور بشر ہیں نبی نہیں ہیں اور نہ معصوم ہیں، ان کی رائے میں خطا واقع ہوسکتی ہے اور کوئی غیر نبی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ اور عابد وزاہد کیوں نہ ہو اور کیسا ہی مشہور

عاشق رسول کیوں نہ ہو۔ کسی عالم یا فقیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی تحریر معصوم ہے اور اس میں خطا واقع نہیں ہوسکتی، شرک فی الرسالت کے مترادف ہے اور اس شخص کو امتی کے مقام سے اٹھا کر نبی کے مقام پر کھڑا کرنے کے قائم مقام ہے، العیاذ باللہ''

(شرح صحیح مسلم، جلد۔۱، صفحہ۔37، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷)

اسی طرح مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ جو اہلسنت دیوبند مکتبہ فکر کے نامور سکالر ہیں، انہوں نے اپنا نقطہ نظر یوں بیان کیا:

''کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شك فيه........''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید، مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی۔ صفحہ 310)

اور نیز حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطا ومصیب وجوباً مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالےٰ اتخذوا احبارهم الآية اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے الخ........''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی۔ صفحہ 305)

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ الا ماشاء اللہ ان اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

فقہاء کرامؒ کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ انکی بنائی ہوئی فقہوں کو الگ الگ مذہب بنا لیا جائے۔ اسلئے بعد میں آنے والے علماء کا فریضہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنا پیشوا مان کر انکے اجتہادات میں امتزاج پیدا کرتے اور سب فقہوں کو ملا کر ایک جامع فقہ بنایا جاتا۔ لیکن ہر فقہ کے پیروؤں نے رفتہ

رفتہ اسی مذہب کو اپنا مذہب بنالیا اور دوسرے ائمہ کی فقہوں کو چھوڑ دیا۔ اور یہ طے پا گیا کہ چاروں مذہب حق ہیں مگر اسکا مفہوم یہ رکھا گیا کہ حنفی مذہب صرف حنفیوں کیلیئے، مالکی مالکیوں کیلیئے، شافعی شافعیوں کیلیئے اور حنبلی صرف حنبلیوں کیلیئے حق ہے اور ایک مسلک والے کو دوسرے کی فقہ کے مطابق فتویٰ دینا روانہیں۔ ہر فرقہ کے امام الگ ہیں، علماء الگ، کتابیں الگ، یہاں تک کہ خانہ کعبہ میں چار مصلے بھی الگ الگ تعمیر کیے گئے جنہیں بعد میں اہل عرب نے بڑی مشکل سے ختم کیا۔ یوں ایک دین، ایک قرآن، ایک نبی ﷺ کو چار مختلف مذاہب میں تقسیم کر دیا گیا جو کہ عقل کی رُو سے بھی نا قابل فہم ہے۔ یہ وہی صورت حال ہے جس کا ذکر اللہ نے کیا:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ٥﴾

(سورہ الزخرف:22:43)

’’بلکہ وہ کہنے لگے، ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی انہیں کے نقوش قدم پر چل کر راہ یافتہ ہیں۔‘‘

﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مقتدُوْنَ ٥﴾

(سورہ الزخرف:23:43)

’’بلکہ وہ کہنے لگے، ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی انہیں کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔‘‘

<u>محدثین کی اندھی تقلید:</u> جیسا کہ اس تحریر میں واضح کیا جا چکا کہ صحابہؓ اور تابعین و تبع تابعین فقہاء کرامؒ کے درایت و متن کے اُصولوں کو پس پشت ڈال کر صرف سند کی بنا پر محدثین کی تحقیق کو حرف آخر سمجھتے ہوئے قرآن عظیم کو اخبار آحاد کے نیچے کرنا۔ روایات کی تاویل قرآن کے تحت کرنے کی بجائے، قرآن کی تاویل، روایات کے تحت کرنا بھی سخت ممنوع تقلید کے زمرے میں ہی آئے گا، جیسا کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس نقطے کو یوں واضح کیا:

''دوسری طرف ائمہ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا'' (انبیائے کرامؑ ،مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات کا مجموعہ، مرتبہ، مولانا غلام رسول مہر)

مقلدینِ فقہاء کرامؒ اپنی کورانہ تقلیدِ فقہاء کو غلط کہنے پر آمادہ نہیں جبکہ مقلدینِ محدثین بھی اپنی اندھی و جامد تقلیدِ محدثین پر بات سننے کو تیار نہیں تاہم ان دونوں چیزوں کی حقیقت مرنے کے ساتھ ہی کھل جائے گی۔لیکن اس وقت چانس ختم ہو چکا ہوگا۔!

سلفی حضرات کے نمایاں اوصاف

اہلسنت کے دو بڑے گروہ ہیں۔ایک تو مقلدین ہیں جو کسی نہ کسی معین امام کی تقلید پر گامزن ہیں جن کا تذکرہ پیچھے کیا گیا۔اور دوسرا گروہ سلفی اہل حدیث حضرات کا ہے جو کسی معین امام کی تقلید کی بجائے براہ راست قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امت میں یہ لوگ بہت منفرد ہیں جنہوں نے تقلید کی بجائے (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول) کو بنیاد بنایا ہے۔مجھے چونکہ سب مکاتب میں رہنے کا موقع ملا ہے۔اس مکتبہ میں مَیں نے درج ذیل امتیازی خصوصیات دیکھی ہیں:

(۱)۔ قرآن حکیم اور صحیح السند روایات (درایت و متن کی بجائے محدثین کے اسماء الرجال کی تحقیق کی بنیاد پر) کو بنیاد بنانا اور ضعیف و موضوع روایات سے مکمل اجتناب کرنا۔

(۲)۔ توحید سے محبت اور غلاظتِ شرک سے شدید نفرت و بیزاری۔

(۳)۔رسومات، توہمات اور بدعات سے مکمل اجتناب۔

(۴)۔ دین کو سنجیدہ لینا، خدا خوفی، تقویٰ و پرہیزگاری کو حتی الامکان ملحوظ رکھنا۔

(۵)۔اسلام کے اخلاقی قوانین کے ساتھ ساتھ عبادت کو قائم کرنے کا حق ادا کرنا۔صف بندی کا اہتمام، عجلت کی بجائے ارکان کی تسلی سے ادائیگی۔نماز کو باقی مسالک سے دوگنا، تین گنا وقت دے کر خشوع و خضوع کو حتی الامکان پانے کی کوشش کرنا۔اس حوالے سے یہ لوگ کسی

نعمت سے کم نہیں۔

(۶)۔ تفہیمِ قرآن اور تلاوت وترتیل میں نمایاں کردار۔

ان سب خوبیوں کے باوجود بڑی کمزوری محدثین کی تحقیق کو حرف آخر قرار دیتے ہوئے درایت ومتن کو قرآنی احکامات کے تحت دیکھے بغیر صرف سند کی بنا پر اخبار آحاد کو حرف آخر سمجھنا ہے۔ جو کہ بہت سنگین مسئلہ ہے۔اس ضمن میں حال ہی میں سلفی مکتبہ فکر کے جید عالم علامہ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری صاحب نے ایسی بات ریکارڈ کرا دی ہے جس سے اندھی و جامد تقلید کی سب مثالیں ٹوٹ گئی ہیں،فرماتے ہیں:

''میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر مجھے (کوئی) قرآن مقدس کی ایک ہزار آیات بینات پیش کرے اور وہ اپنے مطلب میں بالکل واضح ہوں۔یعنی وہ مسئلہ ان سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہو مگر سلف صالحین نے ان سے وہ مسئلہ ثابت نہ کیا ہو یا ان (آیات) کے خلاف مسئلہ ثابت کیا ہو۔میں یہ کہوں گا کہ قرآن تو حق ہے لیکن میرا فہم صحیح نہیں،فہم محدثین یا ائمہ دین کا صحیح ہے.......الخ''(وڈیو ریکارڈنگ سپیچ)

اس بیان کی تائید سٹیج پر موجود نامور سلفی سکالر''جناب ابو یحیٰ نور پوری'' صاحب نے بھی کی ہے۔

نوٹ: ہوسکتا ہے، بلکہ ہم امید رکھتے ہیں کہ اہل حدیث مکتبہ فکر کے دیگر علماء حضرات،علامہ صاحب کے اس بیان سے متفق نہیں ہوں گے۔تاہم اہل حدیث حضرات،درایت ومتن کو ملحوظ رکھے بغیر محدثین کرامؒ کے اسماء الرجال کی بنا پر تحقیق کو اسی طرح حرف آخر سمجھتے ہیں جس طرح دیگر مکاتب فکر فقہاء کرامؒ کی اندھی وجامد تقلید کو۔

بہر کیف مذکورہ بیان اندھی وجامد تقلید کی بدترین مثال ہے۔یعنی اصل تو سلف ہو گئے نہ کہ قرآن۔سلف قرآن سے اوپر آگئے اور قرآن سلف کے نیچے چلا گیا۔سوچنے کی بات ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ہمارا محاسبہ قرآنی آیات پر ہوگا یا سلف اور مفسرین کے فہم اور تشریحات پر؟ کیا اللہ کی بارگاہ میں جب قرآنی آیات کی صراحت کے تناظر میں ہمیں پرکھا جائے گا،تو وہاں کوئی آیات کی صراحت

کے مقابلے میں اپنے اپنے اسلاف کو ڈھال بنانے کی جرأت کر سکے گا؟
دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کی حفاظت تو یقینی ہے۔سلف کی طرف منسوب باتیں کیا قرآن کی طرح ہی یقینی ہیں کہ واقعتاً من وعن اسلاف نے ہی کہی ہوں گی۔اگر کہی بھی ہوں تو پھر بھی ہمیں اللہ کی بات کی بابت سوال کیا جائے گا یا سلف کے فہم کی بابت؟اگلی بات یہ ہے کہ ہر ایک: خوارج، معتزلہ،مرجیہ،شیعہ،سنی،سلفی، دیوبندی، بریلوی......کے اپنے اپنے سلف ہیں،تو یہ حق سب کو دینا چاہیے نہ کہ صرف کسی ایک مکتبہ فکر کو۔حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل دھوکہ ہے جس کی لپیٹ میں انسانیت آچکی ہے۔اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)
قرآن حکیم کی روشنی میں اس دھوکے کی حقیقت سے آگاہی کیلئے ہم نے پوری تحریر''ہدایت'' کے نام سے لکھ دی ہے۔تاہم سلف کی بنیاد پر مولانا صاحب کی غلط فہمی کی حقیقت سے آگاہی کیلئے درج ذیل واقعے کے مفہوم پرغور فرمائیں:

''جب لوگ جوش خروش میں بڑی بڑی رقمیں بطور مہر مقرر کرنے لگے،تو امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں،مسجد نبوی میں جمعے کے خطبے کے دوران چار سو درہم سے زیادہ حق مہر مقرر کرنے سے منع کا آرڈر جاری فرما دیا۔جمعہ سے فارغ ہوکر جیسے ہی باہر نکلے تو ایک قریشی خاتون نے مسجد کے دروازے پر آپؓ کو روک لیا اور کہا کہ آپ کو چار سو درہم کی پابندی کا اختیار کس نے دیا؟ آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ سیدنا عمر فاروقؓ نے کہا قرآن میں یہ مسئلہ کدھر ہے؟اس نے کہا میں بتاتی ہوں۔چنانچہ اس نے درج ذیل آیت کریمہ پڑھی:

﴿ وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّ اٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴾ (سورہ نساء:4:آیت:20)

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ(یعنی سونے کا ڈھیر) دے رکھا ہو،تو بھی <u>اس میں سے کچھ واپس نہ لو</u>۔کیا تم اسے

ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔؟''

(یعنی اس خاتون نے اس بات سے استدلال کیا کہ بیش بہا خزانہ جب واپس لینے سے منع کیا گیا ہے، تو اس میں بیش بہا خزانہ دینے کا بھی جواز موجود ہے۔تو پھر قرآن کی نصِ قطعی کے مقابلے میں حد بندی کیسے کی جاسکتی ہے۔؟)

یہ بات سنتے ہی سیدنا عمر فاروقؓ اسی وقت مسجد میں واپس گئے، ممبر پر کھڑے ہوئے، لوگوں کو بلایا، اس عورت کا قصہ بیان کیا اور کہا:

خدا کی قسم اس آیت کی طرف میرا دھیان پہلے نہیں تھا، اس عورت نے توجہ دلائی ہے، یہ ٹھیک کہتی ہے۔میرا اعلان غلط تھا، میں اپنا اعلان واپس لیتا ہوں۔ اللہ مجھے معاف فرما۔عمر (رضی اللہ عنہ) سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے....''

(تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسند احمد: سورہ نساء:20، مصنف عبدالرزاق، رقم:10420، فتح الباری، ابن حجر عسقلانیؒ:204:9)

اللہ اکبر! یہ تھی انکی للّٰہیت ، انہوں نے یہ نہ کہا کہ میں تو امیر المومنین ہوں، میرے بارے میں تو نبوی پشین گوئی ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے...... بلکہ حکم قرآن پر ایک عام عورت کے توجہ دلانے سے فوراً سرنگوں ہو گئے۔سبحان اللہ! یہ تھا صحابہؓ کا قرآن پر ایمان وعمل، جس کو قرآن نے ہمارے لئے ضرب المثل قرار دیا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (سورۃ البقرہ، آیت:137)

''پھر وہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہ) لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو گئے۔''

اب اس حقیقت کے تناظر میں ذرا علامہ صاحب کے اعلان پر غور فرمائیں کہ: اپنے معنی ومفہوم میں واضح قرآن کی ہزار آیاتؐ بینات کے ہوتے ہوئے بھی آیات کے واضح مفہوم کو تسلیم کرنے کی بجائے سلف کے فہم کے ساتھ ہی چمٹے رہیں گے، اسطرح کیا قرآن پر ایمان رہ جائے گا؟ اللہ ہمیں

معاف فرمائے اور ہماری اصلاح فرمائے۔(آمین)

بہرکیف ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ سلفی حضرات کی نمایاں خوبیوں کی بنا پر ان سے درگزر فرما کر اُصولِ روایت کے حوالے سے وہ صحیح حقیقت جسے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کھولا اسے اپنانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ قرآن ہر علم پر حاکم و جج رہے۔

مزید یہ کہ ترجیحات یعنی تمام دینی امور کو ایک ہی درجہ پر رکھنے کی بجائے فرائض و واجبات، حلال وحرام.....استحباب و مکروہات کے تناظر میں دینی احکامات کا تعین کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

۞۞۞۞۞

باب ۹

احناف کی اجتہادی خطائیں

بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ انتہائی ذہین وفتین بہت بلند پایہ محقق تھے، لیکن نبی نہیں تھے کہ انہیں خطا سے پاک قرار دیا جائے۔لہٰذا دیگر مسالک کی طرح انکی طرف بھی کئی ایسی باتیں منسوب ہیں جو قرآن، مسلمات عقل اور سنت سے مطابقت نہیں رکھتیں، بطور نمونہ اُن میں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔ رضاعت کی مدت: قرآن حکیم نے رضاعت کی مدت دوسال مقرر کی ہے:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرہ:2:233)

''مائیں اپنی اولادوں کو دوسال مکمل دودھ پلائیں، یہ اسکے لئے ہے جو رضاعت کو مکمل کرنا چاہے۔(ورنہ والدین رضامندی سے بچے کی رضاعت کو کم کرسکتے ہیں)۔''

جبکہ اسکے برعکس امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب قول اڑھائی سال کا ہے:

''امام ابوحنیفہؒ دوسال کے بعد چھ ماہ کے ساتھ احتیاط کرتے تھے اور فرماتے تھے دوسال اور ان کے بعد چھ ماہ مکمل ہونے تک حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔یہ تیس مہینے بنتے ہیں۔اسکے بعد حرمت ثابت نہیں ہوگی۔'' (موطاامام محمد:2/602)

نص قطعی سے دوسال کی نص وارد ہوجانے کے بعد بطور احتیاط چھ ماہ کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

(۲)۔ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ: احناف کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنا سخت

ممنوع ہے۔

نماز میں وہ چیزیں جو سنت، افضلیت اور ترجیح کے درجے میں آتی ہیں ان میں تو مختلف دلائل کی روشنی میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔لیکن فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ایک ایسا مسئلہ ہے جو بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔کثیر دلائل (جنہیں پیش کرنے کیلئے طویل تحریر چاہیے) کی روشنی میں سورہ فاتحہ نماز کا لازمی جزو ہے خواہ انفرادی نماز ہو یا جماعت کے ساتھ۔

یہی نماز کا اصل مقصود و مطلوب ہے جسے پوری نماز کے قائمقام قرار دیا گیا ہے۔فاتحہ کے مضامین ہی درحقیقت سابقہ اقوام کی گمراہیوں کا توڑ ہے۔شیطان نے گمراہ کرنے کے لئے جو ہتھکنڈے استعمال کیے،امت مسلمہ کی زبان سے سورہ فاتحہ کے ذریعے تکرار سے ہر رکعت میں ان سے بچنے کا ہماری زبان سے اقرار کرایا گیا تا کہ امت مسلمہ بچ جائے۔اسی لئے احادیث کی روشنی میں فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی،خواہ انفرادی نماز ہو یا جماعت کے ساتھ۔یہ دلیل کہ امام کا پڑھنا مقتدی کیلئے کافی ہے تو پھر تو نماز میں تسبیحات رکوع وسجود،تکبیرات،تشہد سمیت مقتدی کو کچھ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔

لہٰذا اس ضمن میں جہری نمازیں جن میں امام بلند آواز سے قراءت کرتا ہے،اس میں تو فاتحہ کو سن کر اس کے معانی ومفہوم کو ذہن نشین رکھ کر مقصد کو پانے کا جواز موجود ہے(حالانکہ روایات میں یہاں بھی وقفے کے دوران فاتحہ کے الفاظ کو دہرانے کا حکم ہے) جبکہ سری نماز جس میں امام خاموش ہو اس میں بالکل خاموش کھڑے رہ کر اپنی نمازیں ناقص کرنے کا تو سرے سے کوئی بھی جواز نہیں بنتا۔؟امام صاحبؒ نے قرآنی آیت (اعراف،آیت:۲۰۴) کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو“ کو بنیاد بنا کر دورانِ قراءت خاموشی اختیار کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔اس آیت کا پس منظر یہ تھا کہ کفار ومشرکین نے باہم مشورہ کیا کہ ہمیں دوران نزولِ قرآن شور وغل کرنا چاہیے مبادا کہ کہیں قرآن کی سماعت ہمارے اندر تبدیلی نہ پیدا کردے اور ہمیں ہمارے آباؤاجداد کے دین

ومذہب سے ہٹانے کا سبب نہ بن جائے (دیکھیے :حم السجدہ،آیت:26)۔اس تناظر میں حکم دیا گیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو۔لہٰذا دوران نماز امام کی قراءت سنی جائے اور آیت ختم ہونے پر یا فاتحہ کے اختتام پر وقفے میں (جوکہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے) پڑھی جائے۔قرآن کی وعید ،شوروغل کی وجہ سے الفاظ کے مفہوم سے محروم رہنے پر ہے۔ہم نے دونوں طرف (پڑھنے اور نہ پڑھنے پر) تمام دلائل کا اخلاص سے جائزہ لیا ہے اور قرآن وسنت کی رُو سے ''سری نماز'' میں تو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا سرے سے کوئی جواز نہیں بنتا جبکہ امام مالکؒ کی رائے بھی سری نماز میں فاتحہ پڑھنے کی ہی ہے۔لیکن مسلک پرستی اور اندھی جامد تقلید اس بڑے خسارے کا باعث ہے۔

(۳)۔دیہات میں جمعہ: امام صاحبؒ نے دیہات میں جمعہ ممنوع قرار دیا ہے۔دیہات سمیت جمعہ کیلئے لگائی گئی دیگر شرائط کو ترجیح کے درجے میں رکھ کر انکی غایت کو سمجھا جائے تو جواز نکل سکتا ہے۔جیسے بجائے جگہ جگہ جمعہ کرنے کے ہر علاقے میں ایک ہی بڑا اجتماع ہو،تا کہ اتحاد امہ قائم ہو اور افتراق سے بچا جاسکے۔اسی طرح جمعہ پڑھانے والا صاحب تقویٰ، صاحبِ حیثیت قاضی،حاکم وسربراہ وغیرہ ہو،تا کہ اسکی بات کا اثر ہو۔دین کا جامع تصور سامنے آئے اور غیر ذمہ دارانہ طرز عمل،فرقہ واریت،فتنہ انگیزی اور افراط وتفریط سے بچا جاسکے۔لیکن بطورِ شرط انہیں لاگو کرنے کا قرآن وسنت سے جواز نہیں ملتا۔ہاں جہاں فتنہ انگیزی کا یقینی احتمال ہو وہاں ضروری شرائط لاگو کی جاسکتی ہیں۔لیکن جمعے کی دیہات میں ممانعت کا کوئی جواز نہیں بنتا۔قرآن میں جمعہ کے تقاضے کیلئے صرف ''ایمان'' کی شرط بیان ہوئی ہے (سورۃ الجمعہ،آیت:۹)، نہ شہر، نہ گاؤں اور نہ ہی کوئی اور ۔کثرت سے روایات بھی اسی قرآنی حکم کی موید ہیں۔ بلکہ احادیث کی روشنی میں : عورت، مسافر اور مریض وغیرہ کو بھی نمازِ جمعہ کی بجائے نمازِ ظہر کا استثناء دیا گیا ہے نہ کہ ممانعت۔اگر یہ لوگ بھی جمعہ پڑھیں گے تو احسن ہوگا،لیکن ان پر جمعہ فرض نہیں کیا گیا۔لیکن امام صاحبؒ کے پیروکار تو دیہات میں جمعہ پڑھنے والوں کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کا فتویٰ

لگاتے ہیں جسے میں خود بھی بھگت چکا ہوں۔لہٰذا اس قسم کی شرائط کی بناء پر جمعے کے مقاصد(اجتماعیت، بھائی چارہ، ہفتہ وار سرکاری درس و بیان کے ذریعے امت مسلمہ کے مسائل سے آگاہی وتزکیہ وغیرہ) سے دور رہنا بہت بڑا خسارہ ہے۔

(۴)۔<u>ایمان کا گھٹنا بڑھنا:</u> ایمان کا مطلب ہے ماننا، بات تسلیم کرنا یعنی اللہ و رسول ﷺ اور آخرت ،قرآن سمیت دیگر ضروریات دین کو تسلیم کر لینا ایمان ہے۔ان باتوں کے دل وجان سے اقرار اور عمل بالجوارح کے بعد انسان ایمان کا بنیادی ہدف تو حاصل کرلے گا لیکن قرآن وسنت کے دلائل اور عقل و دانش کی رُو سے اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ انسان کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔جب انسان اچھے پاکیزہ ماحول، صالح اعمال میں ہوتا ہے تو اسکا ایمانی جذبہ اور ایمان کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے جبکہ بُرے ماحول، گناہوں سے آلودگی کی حالت میں ایمانی کیفیت کچھ اور یعنی بہت کمزور ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن حکیم نے بھی اسکی تصدیق کی:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَo﴾ (انفال:2:8)

’’مومن تو وہی ہیں جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات کو پڑھا جائے تو انکے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔‘‘

اس ضمن میں دیگر آیات اور احادیث کو کھولا جائے تو طویل تحریر بن جائے۔

لیکن اس حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ:

’’آسمان وزمین والوں کے ایمان میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی کمی۔‘‘ (فقہ الاکبر)

صاف اور سیدھی بات تو یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ امام صاحب کی طرف غلط منسوب ہو گیا ہے یا اگر انہوں نے کہا بھی ہے تو انہیں خطا لگی ہے، وہ نبی تو نہیں تھے کہ انہیں خطا نہیں لگ سکتی۔لیکن اندھی و

جامد تقلید کی بنا پر قول امام کو حق ثابت کرنے کیلئے قرآن کی صریح آیات کی غلط تاویلوں کی راہ اپنائی گئی ہے۔اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔(آمین)

(۵)۔ جبری طلاق

جبراً یعنی دباؤ، طاقت کے بل پر کسی شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کی خاطر طلاق دے بھی دے تو شرعاً ایسی طلاق واقع نہ ہوگی۔لیکن احناف کی رائے ہے کہ جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے، دیکھئے: (ہدایہ، جلد۔۳، کتاب الاکراہ صفحہ:350)

حالانکہ جبراً تو ایمان بھی نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾

(سورۃ النحل، آیت:106)

''جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، سوائے اس شخص کے جسے مجبور کر دیا جائے حالانکہ اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو (اسے رخصت ہے)۔''

امام شافعی رحمہ اللہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ نے انسان سے (مجبوری کی صورت میں) کفر معاف کر دیا ہے تو مجبوری کی صورت میں کئے گئے تمام دیگر اقوال بھی معاف ہیں، کیونکہ لوگوں کو جب بڑی چیز معاف کر دی جائے تو چھوٹی چیز خود بخود معاف ہو جاتی ہے۔'' (السنن الکبریٰ للبیھقی: ۱۲۲/۲)

جبری طلاق کے ایک واقعے کی بابت حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے فیصلہ دیا کہ:

''وہ عورت (طلاق دینے والے پر) حرام نہیں ہوئی۔''

(موطا امام مالک)

امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الشرک اعظم من الطلاق))۔ ''شرک طلاق سے بڑا معاملہ ہے۔''

(السنن سعید بن منصور: ۱۱۴۲، سندہ صحیح)

(٦)۔ اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے دوسری شادی سے پہلے ۹۰ سال انتظار کرنا ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد۔۲، ص۔۳۰۰، بہشتی زیور، حصہ۔۴، باب۔۱۸)

بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اسی طرح کی کئی اور بھی چیزیں ہیں۔ بلکہ فقہ کی تصانیف ردالمختار، ہدایہ.... وغیرہ میں بعض ایسے نازیبا مسائل جیسے شفا کیلئے پیشاب سے سورہ فاتحہ وغیرہ لکھنے کا جواز سمیت کئی ایسے مسائل بھی موجود ہیں جن سے مکمل لاتعلقی کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ دینِ اعتدال پر قائم رہا جاسکے۔

مزید یہ کہ احناف ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ وفقہا رحمہم اللہ کی طرف بھی بعض ایسے مسائل منسوب ہیں جو دینی معیار کے مطابق نہیں۔ تاہم اسکا یہ مطلب نہیں کہ چند چیزوں کی بنا پر انہیں صفر کر دیا جائے، بلکہ عقل و دانش، بصیرت، وسعت نظری، اخلاص کے ساتھ قرآن وسنت کی بنیاد پر ان سے استفادہ کرتے ہوئے حق بات کی پیروی کی جائے۔ یہ گمان تو نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن حکیم کے ناموافق فتوے امام ابوحنیفہؒ نے جاری کیے ہوں۔ واقعہ یہ تھا کہ امام صاحبؒ اپنے تلامذہ کے رُوبرو مسائل پر گفتگو فرماتے، جسے ان کے شاگرد لکھتے جاتے۔ امام صاحبؒ انہیں ضروری تاکید بھی کرتے کہ انکی بات کو لکھنے اور آگے بیان کرنے میں بہت احتیاط کی جائے، جیسا کہ فرمایا:

((حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلا می وفی روایه: فاننا بشر نقول القول الیوم و نرجع عنه غداً))

(ایقاظ ھمم اولی الابصار ص۔50 فتاوی الدین الخالص 11/1)

''جو شخص میری دلیل کو نہیں جانتا میرے اقوال سے فتویٰ دینا اسکے لئے حرام ہے، کیونکہ ہم بھی انسان ہیں آج ایک بات کرتے ہیں کل اس سے رجوع کر کے دوسری بات

کرتے ہیں"۔

آپؒ نے اپنے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کو یوں تاکید کی:

((و یحک یا یعقوب ! لا تکتب کل ما تسمع منی فانی قدأ ری الرای الیوم وأ ترکھہ غداً واترکہ بعد غد))

(تاریخ یحیٰ بن معین ج ۲۔ص۔۷۰۴۔سندہ صحیح۔تاریخ بغداد 424/13)

"اے یعقوب (ابو یوسف) تیری خرابی ہو، میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے، کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے"

سو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ قرآنی اُصولوں سے عدم مطابقت پر باتیں فقہاء کرامؒ نے کہی ہیں یا انکی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔تاہم دونوں صورتوں میں قرآن وسنت اور عقل ودانش کا تقاضا ہے کہ ہم قرآن وسنت سے عدم مطابقت والی باتوں پر ہرگز عمل پیرا نہ ہوں۔

اور یہی طرز عمل ہمارا محدثین کی تحقیق کے حوالے سے بھی ہونا چاہیے کہ وہ بھی غیر نبی انسان ہیں، انہیں بھی اسماء الرجال میں خطا لگ سکتی ہے۔اسلئے صرف سند کو حتمی اور فیصلہ کن قرار دینے کی بجائے متن ودرایت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

امام شافعیؒ کا امتیاز: شاہ ولی اللہؒ نے امام شافعیؒ کا امتیاز درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"من جملہ انکے یہ کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے اقوال شافعیؒ کے زمانہ تک بکثرت جمع ہو گئے تھے اور جب انہوں نے بغور دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ بہت سے اقوال حدیث صحیح کے مخالف ہیں کیونکہ حدیث ان کو نہیں پہنچتی تھی، اسلئے ضرورتاً انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے کام لیا (اور بتقاضائے بشریت انہیں اپنی رائے قائم کرنے میں غلطی ہوئی)۔امام شافعیؒ یہ بھی جانتے تھے کہ علمائے سلف کا یہی اصول رہا ہے کہ جب کوئی صحیح

حدیث انہیں پہنچ جاتی تو فوراً بلا توقف و تاخیر اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیتے۔ چنانچہ شافعیؒ نے بھی اسی اصول پر عمل کیا اور جب تک جملہ صحابہؓ کا کسی ایک قول پر اتفاق نہ ہوتا، افراد صحابہؓ کے اقوال کو وہ قابل استناد نہیں سمجھتے تھے، آپؒ کا قول ہے: ((هم رجال و نحن رجال)) ''وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔''

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ: 249، حصہ اول، مترجم: مطبوعہ الفیصل ناشران)

اطاعت واتباع کا یہ علام تھا کہ رسول کے مقابلے میں کسی کی بات کو اہمیت نہ دیتے تھے، جیسا کہ آپؒ نے فرمایا:

''رسول ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کے قول کا کچھ اعتبار نہیں خواہ اس کے قائلین کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، الیواقت الجواہر)

امام احمد بن حنبلؒ: امام احمد بن حنبلؒ نے بھی کم وبیش امام شافعیؒ کے اصولوں کو ہی اپنایا ہے۔ حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے امام احمد بن حنبلؒ کا نمایاں اصول یہ بھی تھا کہ وہ قیاس اور رائے کو بالکل بھی اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ یہاں تک کہ قیاس اور رائے کے مقابلے میں ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ۔اطاعت رسول کا یہ عالم تھا کہ: ایک آدمی نے امام مالک رحمہ اللہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ رحمہ اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے یعنی اسے حدیث سنائی۔ اُس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے؟ اس پر آپ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت تلاوت کی:

((فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ))(نور۔آیت:63)

''رسول اللہ (ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔'' (شرح السنہ)

حالانکہ سوال کرنے والے نے حکم رسول ﷺ کی مخالفت نہ کی تھی لیکن حضور ﷺ کی حدیث معلوم ہو

جانے کے بعد سوال کو بھی برداشت نہ کیا۔

اسی طرح قرآن کی حاکمیت کا نظریہ کس حد تک واضح تھا، امام اصاحبؒ سے کسی نے سوال کیا کہ:

''السنۃ قاضیۃ علی الکتاب یعنی کیا سنت کتاب پر حاکم ہے، تو آپؒ نے فرمایا: کہ بھئی یہ کہنے کی میں جسارت نہیں کرسکتا۔ سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی اور اسکی مجمل (یعنی جن کی تفصیل درکار ہو) باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔'' (کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ)

مزید یہ کہ فقہ کے میدان میں دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ ''27,647'' احادیث پر مبنی ذخیرہ احادیث کا ضخیم مجموعہ ''مسند امام احمدؒ'' مرتب کرنا آپؒ کا نمایاں کارنامہ ہے۔

۞۞۞۞۞

باب ۱۰

اطاعت میں شراکت کی شکلیں

قرآن وسنت کے واضح احکامات کے خلاف کسی کی پیروی شرک فی الاطاعت ہوگی۔ یہی سابقہ اقوام کی ہلاکت کی بڑی وجہ تھی، جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

(سورہ التوبہ آیت: 31)

’’اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ جل جلالہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا تھا اور مریم (علیہا السلام) کے بیٹے مسیح کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔‘‘

چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) انھوں نے قبول اِسلام سے پہلے جب یہی آیت سُنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ اور انبیاء کی تعلیمات کو دیکھے) اَپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟ ‘‘ میں نے عرض کیا جی ہاں اَیسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔‘‘ اِسی ایک جملہ پر (میں) عدی بن حاتم مطمئن ہوگیا اور

فوراً اِسلام قبول کرلیا ۔'' (والحمدللہ جَلَّ جَلَالُہٗ)

(جامع ترمذی''ابوبُ التفسیر'' حدیث نمبر 3095 ، مُسند امام اِحمد حدیث نمبر 378/4)

اسی آیت کے تحت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ انہیں تمام صفات الٰہیہ میں شریک بنایا جائے بلکہ اطاعت و محبت میں اس حد تک غلو ہو کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم اسلام کے واضح ارشادات کو چھوڑ کر دوسروں کو ترجیح دی جائے تو یہ بھی شرک ہے۔''

(پیر مہر علی شاہ صاحب، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، مقدمہ صفحہ۔ ح، مطبوعہ: پرنٹنگ پروفیشنلز لاہور، ۲۰۰۴)

اطاعت کے ضمن میں شراکت کس کس شکل میں ہوئی ہے، فرقہ واریت سے بالاتر ہوکر ان سب شکلوں کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ ہم بچ سکیں۔ ایک دفعہ پھر سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ یہ تمام شکلیں فی نفسہِ مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ ممانعت غیر مشروط اندھی اور جامد پیروی کی ہے۔ یہ شراکت درج ذیل شکلوں میں ہوئی ہے:

(1)۔ <u>اہل حکام کی اندھی پیروی:</u> ذاتی مفادات اور دنیاوی اغراض و مقاصد کی خاطر یا اہل حکام کے خوف کی بنا پر اللہ کے احکامات کے خلاف انکی تائید و پیروی کرنا۔ اسے قرآن مجید نے طاغوت سے تشبیہ دی ہے۔

(2)۔ <u>آئمہ دین کی غیر مشروط اندھی اور جامد تقلید:</u> ائمہ دینؒ وہ عظیم راہنما ہیں جنہوں نے شب وروز کی ان تھک محنت سے دین کی فقاہت حاصل کی۔ اصولوں کی بنیاد پر انکی پیروی اور راہنمائی سے استفادہ تو ضرور کرنا چاہیے، لیکن چوتھی صدی ہجری سے لے کر تا حال مسلمانوں کی اکثریت اپنے اپنے علاقوں میں رائج مسالک کی غیر مشروط اندھی اور جامد پیروی پر سختی سے کاربند ہے۔ کسی ایک مسلک کی کلی پیروی جبکہ دوسرے ائمہؒ کے مذاہب کی مکمل نفی کر کے

ایک اسلام کو پانچ مذاہب میں تقسیم کر دیا ہے۔ یہ معاملہ اس شدت کے ساتھ لوگوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ جب شعور کو پہنچتا ہے تو جامد تقلید سے ہٹ کر وہ کوئی اور بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ بلاشبہ ایسی تقلید اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت میں کھلی شراکت ہے جس سے فوراً تائب ہونے کی ضرورت ہے۔

(3)۔ محدثین کو حرف آخر سمجھنا: محدثین وہ عظیم لوگ ہیں جنہوں نے سنت کی دستیابی کیلئے نبی کریم ﷺ کی احادیث اور صحابہؓ کے آثار کو محفوظ کرنے اور تا قیامت انہیں انسانیت تک ترسیل کیلئے اپنی زندگیاں کھپائیں۔ یہ لوگ بھی غیر نبی ہیں، انہیں بھی خطا لگ سکتی ہے، مزید یہ کہ بعض لوگ دین کو نقصان پہنچانے کیلئے بھیس بدل کر ثقہ و عادل کے معیار کو پاس کر سکتے ہیں۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور کچھ دیگر محدثین نے سند کے ساتھ درایت کے اصول لازمی کئے تا کہ قرآن، آپ ﷺ کے دیگر صحیح فرامین اور دیگر مسلمات عقل کے خلاف کوئی غلط بات آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ سند کے فلٹر کو پاس کر جانے والی روایات (اخبار آحاد) کو درایت کے اصولوں کی بنیاد پر غیر صحیح قرار دینا نبی کریم ﷺ کے فرمان مبارک پر کلام نہیں بلکہ محدثین کی تحقیق پر کلام ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور دیگر فقہاء کرامؒ نے کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی بات پر اعتراض یا چون و چراں سے تو انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری سے تا حال صرف سند کی بنا پر محدثین کے فیصلے کو حرف آخر سمجھ کر روایات کو قرآن کے تناظر اور تحت کرنے کی بجائے قرآنی احکامات کو روایات کے تابع کیا جاتا ہے۔ جو کہ محدثین کی اندھی و جامد تقلید ہے۔ اور یہ صورت حال ائمہ وفقہاء کرامؒ کی تقلید سے بھی زیادہ سنگین ہے، جسکی نشاندہی ممتاز عالم دین مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ان الفاظ میں کی:

''اصل یہ ہے کہ ہر گوشے کی طرح اس گوشے میں بھی متاخرین افراط وتفریط میں پڑ گئے

ہیں اور اسکی وجہ سے عجیب وغریب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں۔ایک طرف فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری ومسلم کی مرویات کی زَد، ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے، اس امر کی کوشش شروع کر دی ہے کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح سے کمزور کر دی جائے........ اور دوسری طرف ائمہ اصحابِ حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔انکے سامنے جونہی بخاری ومسلم کا نام آجاتا ہے تو بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں، پھر کوئی لیل وحجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف (یعنی ضعیف ہونے پر) پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں۔''

(انبیائے کرامؑ ،مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات کا مجموعہ،مرتبہ،مولانا غلام رسول مہر)

اس ضمن میں مولانا مودودیؒ نے بہت عمدہ رہنمائی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

''یہ لوگ (یعنی اہل حدیث) محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرامؒ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے۔اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیے ہیں، انہیں کے مطابق ہم ان کو اعتبار وحجیت کا مرتبہ دیں۔ مثلاً جو قوی الاسناد ہے اسکے مقابلہ میں ضعیف الاسناد کو چھوڑ دیں۔محدثینؒ کی خدمات مسلم (تسلیم شدہ)، یہ بھی مسلم کہ نقدِ حدیث کیلئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے، وہ صدر اول کے اخبار وآثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔کلام اس میں نہیں، بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے۔وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔انسانی علم کیلئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں، ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور

پر رہ جاتا ہے، اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں، وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے؟ صحت کا کامل یقین تو ان کو بھی نہیں تھا۔'' (تفہیمات: ج:1، ص:318)

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جس روایت کو ذہن تسلیم نہ کرے اسے قرآن کے خلاف قرار دے دیا جائے۔ مثلاً ایک شخص نے مجھے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب درج ذیل بات حدیث رسول ﷺ ہوسکتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز (شرمگاہ) کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' (بخاری، رقم:6474)

اس شخص کا سوال یہ تھا کہ صرف مذکورہ دو کاموں کی گارنٹی دینے اور باقی کچھ نہ کرنے سے جنت کیسے مل سکتی ہے؟

حالانکہ اس حدیث سے باقی ذمہ داریوں کی نفی تو نہیں ہورہی، بلکہ مذکورہ کام کی اہمیت اجاگر کرنے کیلئے صرف اسی کام کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی بعض مقامات پر کسی ایک بڑے عمل کی اہمیت اجاگر کرنے کیلئے اس پر بڑی بڑی نویدیں سنائی گئی ہیں جیسے: انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ انہیں کوئی خوف ہوگا نہ غم (سورۃ البقرہ، آیت۔۲۷۷)۔ یوں تو یہ آیت کریمہ بھی مذکورہ اعتراض کی زد میں آجائے گی۔

معلوم ہوا انتہائی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، سلف اہل علم کی تحقیق کی روشنی میں تمام پہلو مدنظر رکھ کر ہی کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔ لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ سلف کے پیچھے قرآن کے واضح محکم احکامات کو محدثین کی تحقیق کے نیچے کرکے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ افترا کردیا جائے۔ یاد رکھیں! بروز قیامت ہمارا محاسبہ قرآن پر ہوگا۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی یہی

شکایت کرنی ہے کہ میری امت نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا (سورۃ الفرقان:30)۔

(4)۔ اپنے اپنے پسندیدہ گروہ کی اندھا دھند پیروی: شراکت کی تیسری خطرناک شکل اپنے پیدائشی دین و مذہب یا مکتب فکر کو بلا دلیل عین حق پر تسلیم کرتے ہوئے، اسے اسلام کے تابع کرنے کی بجائے اسلام کو اپنے گروہ کے تابع کرنا۔ جو کہ کیا جا چکا ہے، الا ماشاء اللہ۔

(5)۔ نظام بیعت کا غلط استعمال: مرید حضرات کا بلا دلیل پیر حضرات کی ہر بات کو عین دین و شریعت تسلیم کرتے ہوئے انکی کسی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا انکی بے ادبی تصور کرنا بھی کھلی شراکت اور گمراہی کی بہت بڑی وجہ ہے۔ حالانکہ بیعت کا مقصد ہی خدا و رسول ﷺ کی راہ دکھانا اور اس پر استقامت سے عمل پیرا ہونا چاہیے جو کہ نہیں رہا۔

اندھی و جامد تقلید کی اطاعت میں شراکت کی مذکورہ پانچوں شکلوں میں الا ماشاء اللہ انسانیت اپنے اپنے آبا کی روش پر اندھا دھند عمل پیرا ہے، جیسا کہ قرآن نے واضح کیا:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ o﴾

(سورہ الزخرف:22:43)

''بلکہ وہ کہنے لگے، ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی انہیں کے نقوشِ قدم کی پیروی کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔''

اسی صورت حال کی عکاسی ایک اور مقام پر یوں کی:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ o﴾

(المائدہ:104:5)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اسکی طرف جو نازل کیا اللہ نے اپنے رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کافی ہے ہم کو وہ پایا ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو۔ کیا بھلا انکے آباؤ

اجداد کچھ علم نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں تب بھی۔؟''

جبکہ نبی کریم ﷺ نے بھی آبا کی اندھا دھند غلط پیروی پر یہی تعلیم دی کہ:

''(واتـرُکو مایقول آباؤ کم).... جو تمھارے باپ دادا کہتے اور کرتے رہے ہیں اسے چھوڑ دو۔'' (بخاری:7،مسلم:1773)

یعنی مطلقاً کسی کی پیروی کی نفی نہیں بلکہ مذکورہ پانچوں شکلوں میں عقل وبصیرت، دانش اور تعلیمات قرآن کے سائے میں پیروی کا جواز ہے نہ اندھا دھند پیروی کا۔

ابلیس بہت مکاری سے شکار کرتا ہے،اس نے ہر گروہ کیلئے اسکے موافق جال ڈالے ہیں۔قرآن کی حاکمیت کے ضمن میں اپنا ذاتی احتساب کرنے کیلئے، درج ذیل آیت کریمہ بھی بطور کسوٹی ہے:

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ (سورہ زمر:45:39)

''اور جب ذکر کیا جاتا ہے اکیلے اللہ کا تو بیٹھنے لگتے ہیں دل ان لوگوں کے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔اور جب اللہ کے ذکر کے ساتھ دوسروں کو شامل کیا جاتا ہے،تو وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔''

ذکر سے مراد، اللہ کی یاد بھی ہے اور قرآن بھی ذکر ہے۔اس آیت کریمہ کی تخصیص تو توحید وشرک کے حوالے سے ہی ہے کہ شرک کے مرض میں مبتلا لوگ، اللہ کی خالص توحید کے تذکرے کو برداشت نہیں کر پاتے، جب تک باقی لوگوں کا اللہ کے ساتھ تذکرہ نہ کیا جائے۔لیکن اس آیت کریمہ کا اطلاق اس حوالے سے بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر من وعن خالص قرآنی آیات کی صراحت کو سمجھا جائے اور بیان کیا جائے تو لوگ اسے بھی بہت کم برداشت کر پاتے ہیں، مگر یہ کہ جب تک سلف کو ساتھ شامل نہ کیا جائے۔یعنی اللہ احکم الحاکمین کی صراحت پر مبنی ان گنت بینات پر مشتمل آیات کے بیان پر لوگ شک کا اظہار کرتے ہیں۔اللہ کی بات پر انہیں اس وقت تک یقین نہیں آتا جب تک اپنے اپنے

پسندیدہ غیر معصوم مفسرین کی رائے سامنے نہ آجائے۔اگرچہ مفسرین نے غلط تاویل وتحریف کے ذریعے ،قرآن کے منہ میں لقمہ ہی ڈالا ہو۔اہل علم سے استفادہ تو ضرور کرنا چاہیے۔لیکن حقیقی اہل ایمان جنہیں آخرت اور اللہ کے رُوبرو پیشی کا یقین کامل ہوجاتا ہے، ان کیلئے اللہ کی صراحت ہی حرف آخر ہوتی ہے، چاہے دنیا اس صراحت کے مقابلے میں ایک طرف ہوجائے۔ یہ قرآن اور آخرت پر ایمان ہے جو نجات کا باعث بنے گا۔لیکن افسوس کہ اس پر بہت کم لوگ آئیں گے۔

۞۞۞۞۞

باب ۱۱

قرآن کے ساتھ سنت کی ضرورت

اس حقیقت کو جھٹلانا ممکن نہیں کہ قرآن کے ساتھ سنت بھی دین کی لازمی بنیاد ہے، جس کے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اور سنت کے تین مآخذ ہیں: قرآن، حدیث اور اجماع / اہل ایمان کا عملی تواتر۔ قرآن کی اہمیت تو اپنی جگہ پر مسلم ہے ہی لیکن حدیث بھی سنت کا انتہائی اہم جزو ہے جس سے قرآن کی مزید تفصیل ہوتی ہے اور اس کے بغیر سنت کا عملی پہلو ثابت نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے پروردگار نے رسالت کے منصب کو تخصیص سے واضح فرمایا:

﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (سورہ نحل:16: آیت:44)

”(بھیجا تھا ان کو) کھلی نشانیاں اور کتابیں دے کر، اور نازل کیا ہم نے (اے نبی) تمہاری طرف یہ ذکر (یعنی قرآن) تا کہ کھول کھول کر بیان کردو تم انسانوں کے سامنے وہ تعلیم جو نازل کی گئی ہے انکے لئے، تا کہ وہ غور وفکر کریں۔“

یعنی احکامِ قرآن میں سے جو کچھ مجمل (یعنی واضح نہیں) ہے، اس کا بیان اور اسکی تشریح وتوضیح سنت سے طلب کرنی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ قرآن کے ان مجملات کے مبین (واضح کرنے والے) ہیں۔ یعنی دین کے تمام اجزا کی تفصیل اور عملی شکل سنت سے ہی سامنے آتی ہے۔ بات کو سمجھنے کیلئے صرف درج ذیل سات نکات پر غور فرمائیں:

(۱)۔ نماز کا حکم تو قرآن میں موجود ہے، لیکن نمازوں کی تعداد (یعنی پانچ نمازیں)، رکعات، رکوع و سجود، انکی تفصیل، طریقہ..... قرآن میں موجود نہیں۔ یہ سب ہمیں سنت سے ملتا ہے۔ سنت

اور حدیث کو چھوڑ کر اگر لغت کی رُو سے دیکھا جائے تو صلوٰۃ سے مراد: دعا ورحمت، درودورحمت وغیرہ ہے۔یعنی محض لغت سے کام نہیں بنتا جب تک سنت سے رہنمائی نہ لی جائے۔اسی طرح نمازِ جنازہ،عیدین وغیرہ بھی قرآن سے باہر ہیں۔

(۲)۔پاکیزگی، وضو، غسل کا طریقہ اوراس کے مسائل بھی قرآن سے باہر ہیں۔

(۳)۔حج کا سارا طریقہ،سات چکر، وقوفِ عرفات، رمی.....وغیرہ بھی حدیث اور سنت سے ہے۔قرآن میں آیا کہ:(ولیطفوا بالبیت العتیق) ۔بیت الحرام کا طوف کرو۔اب کتنی مرتبہ کرنا ہے؟ یہ بھی سنت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۴)۔زکوٰۃ:رقم، جانور،اونٹ.....وغیرہ میں نصاب بھی سنت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۵)۔سورہ مائدہ: آیت:۶ میں ہر مرداراور خون کوحرام قرار دیا گیا ہے،لیکن حدیث نبوی نے مردہ ٹڈی،مچھلی اورخون کی شکل (جگروکلیجی) کوحلال قرار دیا ہے۔

(۶)۔مرد کیلئے ریشم اورسونے کا حرام ہونا بھی سنت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۷)۔چوری پر ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے: کہنی سے،کلائی سے،اسکی وضاحت بھی سنت سے سامنے آتی ہے۔

اس طرح کی بیسوں مثالیں ہیں، جواس حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں کہ قرآن کے ساتھ سنت بھی ایک لازمی جزو ہے۔اسی لئے قرآن حکیم میں (اطیعو اللہ و اطیعو الرسول) اس تکرار سے اورزور سے آتا ہے کہ کسی کواس ضمن میں کسی غلط فہمی کا شبہ بھی نہ ہوسکے۔جیسا کہ پروردگار نے رسول ﷺ کی پیروی کواپنی پیروی قرار دیا:(مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ)۔مزید یہ کہ(سورہ نور۔آیت:54)میں رسول ﷺ کی پیروی کوہدایت کا ضامن قرار دیا:

(وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا) ۔’’اوراگرتم رسول کی اطاعت کروگےتوہدایت یافتہ ہوجاؤگے۔‘‘

اس حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ بھی نہایت قابل غور ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا o يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًاo﴾ (سورۃ الفرقان۔آیت:28-27)

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہے گا اے کاش! میں رسول کی راہ پکڑتا ہائے افسوس اے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

مزید یہ کہ اس ضمن میں سورہ نساء کی (آیت:50) بھی انتہائی اہم ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میرے تمام اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی انکار کس نے کیا؟ فرمایا :((**من اطاعنی دخل الجنة و من عصانی فقد ابی**))۔''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا''۔(صحیح بُخاری ''کتاب الاعتصام باالکتاب االسنۃ''رقم:7280)

اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ آپ ﷺ کی اطاعت سے مراد صرف سنت کی پیروی نہیں بلکہ اطاعت رسول ﷺ کا اولین اطلاق قرآن پر پھر حدیث اور سنت پر ہوتا ہے۔

اس بنیادی وضاحت کے بعد اب اس ضمن میں پیدا ہونے والے چند اشکالات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(ا)۔ سنت کی بجائے معلوم القوم: درج بالا حقائق و دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قرآن کے ساتھ سنت بھی دین کا بنیادی جزو ہے جس کی بنیاد قرآن، حدیث اور اہل اسلام کا اجماع اور عملی تواتر ہے۔اس ضمن میں بعض الناس نے سنت کیلئے''حدیث یا سنت'' کی بجائے''معلوم القوم'' کو بنیاد بنایا ہے۔یعنی وہ چیزیں جن پر دورِ نبوت میں لوگ پہلے سے عمل پیرا تھے،اسلئے قرآن نے انکی دوبارہ سے وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔اگر معلوم القوم کو ہی بنیاد بنایا جائے تو پھر وہ لوگ تو خانہ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور نماز میں سیٹیاں بجاتے، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَالْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ٥﴾ (سورہ انفال:8: آیت:35)

''اور بیت اللہ کے پاس انکی نماز نہیں تھی مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا، پس مذا چھکواب عذاب کا جو تم کفر کیا کرتے تھے۔''

تاہم معلوم القوم کے ضمن میں یہ تو ہوسکتا ہے کہ کسی موٹی عام فہم بات کو معلوم القوم کے تحت بیان کر دیا جائے جیسے قرآن میں آیا: (اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ)۔ حج کے مہینے جانے پہچانے ہیں۔ (البقرہ:۱۹۷)...... وغیرہ۔ لیکن دقیق تفصیل طلب مسائل اور دین کے عملی پہلوؤں کو بغیر تفصیلی تعلیمات اور عملی نمونے کے کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟

دوسری انتہائی اہم بات یہ ہے کہ معلوم القوم کے تحت بیان کردہ احکامات کو تخصیص کے ساتھ قرآن کو بیان کرنا ضروری ہے کہ فلاں چیز کی تفصیل اسلئے بیان نہیں کی جارہی کہ اس پر فلاں لوگ پہلے سے عمل پیرا ہیں، لہٰذا انکی تفصیل کیلئے ان لوگوں سے رہنمائی لی جائے، جیسا کہ (اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ) میں بات کو واضح کر دیا گیا۔ پس یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآنی احکامات کی تفصیل کو ''معلوم القوم'' کے کھاتے میں ڈال کر حدیث اور سنت سے رہنمائی کو ترک کر دینا محض خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۲)۔ <u>قرآن کی تفصیل اور صراحت:</u> اس ضمن میں پروردگار نے قرآن حکیم کے متعلق یہ بات واضح فرمائی ہے کہ:

یہ کتاب مفصل ہے۔ کوئی ایسی شے نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ اس میں ہر بات کھول کر بیان کردی گئی ہے۔ یہ قولِ فیصل (یعنی حرف آخر اور فیصلہ کن) ہے۔ یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی ہے........... تفصیل کیلئے دیکھئے حوالہ جات: (سورہ انعام: آیت:115، 114، 38)، (نحل:89)، (سورہ طارق:13-14)۔

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے اکثر و بیشتر لوگ سیاق وسباق اور پوری آیت کی بجائے آیت کے کچھ

حصے کو پیش کرتے ہیں جس سے بات کا اصل منشا سامنے نہیں آپاتا۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر توان آیات کا یہ معنی لیا جائے کہ قرآن سے باہر کوئی دین نہیں تو پھر پانچ نمازوں سمیت شروع میں ذکر کردہ سات نکات اور بہت سارے احکامات، دین سے خارج ہوجاتے ہیں۔ یہ اسی صورت میں بچتے ہیں جب قرآن کے اس تکرار کے ساتھ صراحت پرمبنی حکم (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول) کوملحوظ رکھا جائے۔یعنی قرآن نے تکرار، زوراور صراحت سے رسول ﷺ کی طرف بھیجا ہے۔گویا قرآن کی مزید تفصیل اور عملی شکل کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف جانا بھی درحقیقت قرآن کے مفصل حکم میں داخل ہے۔بصورت دیگرتو دین کا زیادہ تر حصہ نا قابل عمل ہوجاتا ہے۔البتہ قرآن ہر دینی علم پر حاکم وجج ہے، ہر چیز اسکے تابع ہے، اسے کسی علم کے تابع کرنا بہت بڑی ہلاکت ہے۔قرآن اولین بنیاد ہے،اسے بنیاد بنا کر دیگر علوم سے رہنمائی لی جائے۔

(۳)۔ <u>کتابوں کی بجائے سینہ بسینہ عملی تواتر:</u> بعض الناس کا یہ بھی خیال ہے کہ کتابوں (بالخصوص کُتب احادیث) کی کوئی ضرورت نہیں دین تو سینہ بسینہ عملی تواتر سے منتقل ہوا ہے۔اس ضمن میں معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ کسی چیز کو لکھ کر محفوظ کرنا زیادہ قابل اعتماد ہے یا سینہ بسینہ سن سنا کر؟ ظاہر ہے چیزیں لکھ کر ہی محفوظ ہوتی ہیں، یہی دستور ہے۔عام موٹی موٹی باتیں جیسے: پانچ نمازیں، تیس روزے، زکوٰۃ، حج، بارہ مہینے...... وغیرہ تو سینہ بسینہ آگے منتقل ہوسکتے ہیں لیکن دقیق اور تفصیل طلب مسائل کا لکھے بغیر من وعن نسل درنسل منتقل ہونا محال ہے۔اسی لئے قرآن بھی کتابی شکل میں ہے اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنی امت کو گمراہی سے بچنے کے لئے کتاب کی پیروی کی ہی تاکید فرمائی ہے اور خود قرآن مجید نے بھی ہدایت کے لئے جگہ جگہ کتاب کو سمجھنے اوراس پرعمل پیرا ہونے کی ہی تاکید کی ہے۔ بلکہ اس ضمن میں بہت بڑی حقیقت کو یوں واضح فرمایا: ﴿ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ (العلق،آیت:4)

”وہ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔“

علم سیکھنے کے لئے ''قلم'' کا بالخصوص ذکراس اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ وقت کے ساتھ ذہن وحافظہ کمزور ہو جاتا ہے، بلکہ انسان کے فوت ہونے کے ساتھ ہی اسکا علم بھی اسکے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔مگر وہ جوتحریری یا کتابی شکل میں موجود ہو بچ جاتا ہے۔اسی قلم کی بدولت تعلیمات وحی سمیت دیگر تمام علوم محفوظ ہیں۔اسی حقیقت کی تصدیق امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جز رفع الیدین'' میں کی کہ کئی ایسی روایات کئی سالوں کے بعد انہیں راویوں سے جب دوبارہ سنائی گئیں تو یاداشت کمزور ہونے کی بنا پر وہ اسے ٹھیک طرح نہ بیان کرسکے اور تصدیق کے لئے ان کے قلمی نسخے جو کتابی شکل میں موجود تھے ان کی ضرورت پڑی۔میں نے جب تک خود سے کتب احادیث سے نماز کی تفصیل اور طریقہ نہ دیکھا میری نماز کامل نہ ہوسکی، کیونکہ فرقہ واریت کی وجہ سے الا ماشاءاللہ علماء حضرات حق بات عوام کے سامنے نہیں لاتے۔

اگر ہم دنیا کے حوالے سے بھی دیکھیں تو ہم دنیاوی علوم : انگریزی ، فزکس، کیمسٹری، ریاضی، بیالوجی..... کے لئے کتابوں کو ہی بنیاد بناتے ہیں نہ کہ سنی سنائی روایات کو۔جس شخص کے لئے کتاب معیار نہ رہی اس شخص کے صحیح راستے پر ہونے کی کوئی گارنٹی نہ رہی۔یوں جب ہم خود ہی خداو رسول ﷺ کی تاکید شدہ بات کے خلاف موقف بنالیں گے،تو پھر ہم شیطان کے مکر سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے پیارے رسول ﷺ کی بات تسلیم کو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(۴)۔<u>وحی یا اجتہاد؟</u> اس ضمن میں یہ نکتہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن سے باہر حدیث اور سنت کی بنیاد پر جو دین لیا گیا ہے وہ منزل من اللہ ہے یا نہیں؟ یعنی کیا یہ وحی ہے یا رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد؟ یہ اجتہاد بھی ہوسکتا ہے اور وحی خفی بھی ہوسکتی ہے۔اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو بھی ہو، وحی خفی ہو یا اجتہاد، جب رسول اللہ ﷺ سے مل رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر خالق کی تائید ثبت ہے۔قرآن کے سائے تلے اس پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے نہ کہ ابحاث میں الجھنے کی۔!

دو ہی راستے: اب دو ہی راستے بچتے ہیں: (۱)۔ یا تو قرآن، حدیث اور تواتر کی بنیاد پر ''سنت'' کو تسلیم کیا جائے، (۲)۔ یا پھر قرآن سے باہر دین کا انکار کر کے نماز سمیت دیگر دین کا انکار کر کے دین سے فارغ ہو جایا جائے۔ فیصلہ آپکے ہاتھ ہے۔!

امت کا اجماعی راستہ

اس ضمن میں جس راہ کو اوائلِ اسلام کے دور میں سلف (صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ ومحدثین... رحمہم اللہ) نے اختیار کیا ہے، وہ یہی ہے کہ قرآن کی وضاحت اور عملی شکل کیلئے حدیث اور سنت کو لازم قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ دوسری صدی ہجری تک حدیث کیلئے سند کے ساتھ ساتھ اصولِ درایت کو ملحوظ رکھ کر حدیث سے استنباط کرنے کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے نہ کہ حدیث کو ترک کرنے کی راہ اپنائی گئی ہے۔ اس ضمن میں اسلاف سے چند کی رائے ملاحظہ کریں:

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

(فکان السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب)

(الموافقات للشاطبی، جلد۔1، ص۔10)

''گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کیلئے بمنزلہ تفسیر وشرح کے ہے۔''

مزید فرمایا:

''سنت کو نا قابل التفات سمجھ کر اگر کوئی شخص صرف الفاظِ قرآن کے لغوی معنی پر ہی عمل کرنے لگے تو وہ شخص گمراہ ہو جائے گا، کتاب اللہ سے جاہل رہ جائے گا، اندھیروں میں ہاتھ پیر مارنے والا ہو گا اور کبھی بھی راہِ حق نہ پا سکے گا۔

(الموافقات للشاطبی، جلد۔1، ص۔21)

مثال کے طور صلوٰۃ کے لغوی معنی کی وجہ سے بعض لوگ نماز سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ حدیثیں مت بیان کرو۔ امام صاحب نے یہ سن کر اس پر سخت زجر فرمایا اور کہا: اگر سنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن سمجھ نہ پاتا..... (مقدمۃ المیزان لشعرانی،ص:62-63)

علامہ حمید الدین فراہیؒ فرماتے ہیں:

''سلف اور ائمہ نے اپنے مذہب کی صحت کی بدولت کتاب اور سنت دونوں کو مظبوطی سے پکڑا ہے۔ یہ نہیں کیا کہ باطل پسندوں اور ملحدوں کی طرح ان میں تفریق کر کے ایک چیز کو ترک کر دیتے ہیں۔ (رسالۃ، تدبر، لاہور، عدد: 37،ص۔33، مجریہ ماہ نومبر:۱۹۹۱ء)

امام اوزاعیؒ، ایوب سختیانیؒ سے ناقل ہیں کہ:

''اگر کوئی شخص سنتِ نبوی کے متعلق یہ کہے کہ: جی سنت کی بات رہنے ہی دیجئے، ہمیں تو صرف قرآن کے متعلق بتلائیے تو جان لو کہ وہ شخص گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔ (نفس مصدر)

اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس ضمن میں بہت عمدہ اصولی بات کی ہے، فرمایا:

''محدثین کے نزدیک جب کوئی حکم قرآن میں صراحتاً موجود ہو تو کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر قرآن میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث اس پر قاضی ہوگی (یعنی قرآن کے اُسی مفہوم کو درست سمجھا جائے گا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو)''۔ (حجۃ اللہ البالغۃ،ص:118)

تاہم اس ضمن افراط وتفریط دونوں سے بچنا ہے۔ یعنی نہ تو حدیث اور سنت سے اعراض کرنا ہے اور نہ ہی قرآن کو روایات کے نیچے کرنا ہے۔ اس حوالے سے امام یحیٰ بن کثیرؒ کا قول کہ:

(السنة قاضية على الكتاب) (الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب،ص:14)

''سنت کتاب کے اوپر حاکم وجج ہے۔''

امام یحیٰ بن کثیرؒ کا مقام ومرتبہ اپنی جگہ ہے، لیکن وہ پیغمبر نہیں ہیں، ان سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔لہٰذا اس قسم کی باتوں کا دفاع کرنے کی ضرورت نہیں۔اس قسم کے اقوال کا مختلف تاویلات سے دفاع کرنے کی بجائے اس مد میں امام احمد بن حنبلؒ کے درج قول سے رہنمائی لینی چاہیئے۔امام اصاحبؒ سے کسی نے سوال کیا کہ:

''(السنۃ قاضیۃ علی الکتاب) یعنی کیا سنت کتاب پر حاکم ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: کہ بھئی یہ کہنے کی میں جسارت نہیں کرسکتا۔سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی اور اسکی مجمل (یعنی جن کی تفصیل درکار ہو) باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔'' (کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ)

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص اور صحیح ہدایت پر گامزن فرمائے۔(آمین)

✪✪✪✪✪

باب۱۲

کتبِ احادیث کے طبقات

دوسری صدی ہجری تک تو تابعینؒ موجود تھے جن سے براہ راست استفادہ ممکن تھا۔لیکن انکے بعد حدیث پر باقاعدہ کام کرنا ناگزیر تھا۔لہٰذا سخت اصولوں کے تحت درج ذیل مستند تصانیف مرتب ہوئیں:

طبقہ اول: 1۔الموطاء امام مالک، 2۔بُخاری ، 3۔مُسلم

موطا امام مالک: شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک شرائطِ صحت وشہرت کی کسوٹی پر پورا اترنے والی تین کتابوں میں سے پہلے نمبر پر ''موطا امام مالک'' ہے، پھر اسکے بعد ''بخاری ومسلم'' ہیں۔

امام مالکؒ نے اس کتاب کی ترتیب میں چالیس سال کا عرصہ صرف کیا۔مدینہ منورہ کے ستر جید فقہا کو یہ کتاب دکھائی۔آپؒ نے قول رسول ﷺ کے حوالے سے روایت بالمعنیٰ کو قبول نہیں کیا بلکہ روایت باللفظ پر اصرار کیا ہے اور اہل بدعت سے روایت بالکل بھی نہیں لی۔موطا کی تمام روایات عمل اہل مدینہ کی ترجمان ہیں، کیونکہ قبولیتِ حدیث کیلئے امام مالکؒ کے یہاں یہ ضروری تھا کہ حدیث عمل اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ آپؒ نے شرط رکھی:

((ان لایعمل علیٰ خلافه الجمهور والجم الغفیر من اهل المدینه))

(قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی)

''کہ روایت جم غفیر اور عمل اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو۔''

خبر واحد اور عمل اہل مدینہ میں تعارض کے وقت امام صاحبؒ عمل اہل مدینہ کو ترجیح دیتے تھے۔ان کا کہنا یہ تھا کہ مدینہ کا عمل جو ہمیں نبی کریم ﷺ سے وراثتاً ملا ہے، وہ خبر واحد کے مقابلے میں زیادہ مستند

ہے۔امام مالکؒ کے شیخ امام ربیعہؒ (المتوفیٰ:۱۳۶ھ) کا بھی یہی مسلک تھا،وہ فرماتے تھے کہ:
"ہزار، ہزار سے نقل کریں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ایک ایک سے نقل کرے۔"
(مالک حیاتہ،ص:122)

یہ مجموعہ خیرالقرون کے عملِ متواتر کا جملہ دینی کتابوں سے زیادہ قابلِ اعتماد مجموعہ ہے۔مدینہ منورہ عہدرسالت اور خلافت راشدہ میں اسلام کا مرکز رہا۔جس میں کم وبیش بارہ ہزار صحابہؓ تھے جن میں سے قریباً دس ہزار وفات تک وہیں رہے۔بقیہ دو ہزار عراق،مصر،شام ویمن وغیرہ میں پھیلے۔اسلئے شریعت کا اصلی اور صحیح ذخیرہ مدینہ میں ہی ہوسکتا تھا۔یہ حدیث کی پہلی کتاب ہے جو مدینہ منورہ میں مدون ہوئی۔اس کتاب میں اہل مدینہ کے پاس اسوہ رسول ﷺ وخلفاءراشدین وصحابہ کرامؓ وتابعین وعظامؒ کا جو سرمایہ تھا اور جس قدر مسائل اور فتاوے ان کے معمول بہ تھے وہ سب اس میں جمع کردیے گئے ہیں۔امام صاحبؒ نے اپنی وفات سے چالیس سال قبل اسے مرتب کیا اور چالیس سال تک اسکا اپنے شاگردوں کو درس دیتے رہے۔

امام صاحبؒ کی کاوش،سند کی بجائے زیادہ متن اور عمل اہل مدینہ پر مرکوز رہی ہے۔اسکی روایات متن کے اعتبار سے تمام کتب احادیث میں سے سب سے اعلیٰ ہیں۔شاہ ولی اللہؒ نے بھی اسے تمام کتب احادیث کی اصل اور اساس قرار دیا ہے۔امام ابن حزمؒ کے قول کے مطابق اس میں بھی کچھ ضعیف روایات موجود ہیں۔یہ مجموعہ مختصر اور جامع ہے۔

صحیحین (بخاری ومسلم): اُصول سند کے تحت بخاری اور مسلم سب سے مستند تصانیف ہیں جنہیں انتہائی سخت جرح وتعدیل کے پیمانوں کے تحت مرتب کیا گیا۔امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی یہ عظیم کاوش حدیث رسول ﷺ کے ضمن میں اہل ایمان کیلئے عظیم سرمایہ ہے۔جان گداز محنت شاقہ کی بدولت لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چند ہزار حدیثیں مرتب کی ہیں۔دور صحابہؓ سے قدرے دور ہونے کی بنا راویوں کی جانچ پڑتال اس دور کا بنیادی تقاضا تھا۔محدثین نے متن کا بھی خیال رکھا ہے،لیکن

''سند''ان کی توجہ کا زیادہ مرکز رہی، جیسا کہ باب ٦ میں بیان کیا گیا۔
جہاں تک اسناد کا تعلق ہے، امام بخاریؒ نے اپنے شروط کی مراعات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کیونکہ وہ جرح وتعدیل کے مسلم اور مستند امام ہیں۔ یہ موطا امام مالک کے ایک سو سال بعد لکھی گئی۔ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے چھان پھٹک کر کے چند ہزار احادیث منتخب کیں۔ کتاب کی ترتیب میں سولہ سال صرف کیے اور ہزار سے زیادہ شیوخِ حدیث سے استفادہ کیا۔ ستر ہزار طلبہ نے امام بخاریؒ سے انکی صحیح کا درس لیا۔ صرف اُن محدثین سے روایات لیں جو ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔ عنوانات ایک خاص طریقہ سے مرتب دیے ہیں اور روایت سے اخذ ہونے والے مسئلہ کو ابواب میں لائے ہیں جس سے انکی وسعت علم اور تفقہ فی الدین کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث میں یہ سب سے چوٹی کی کتاب ہے۔
اسکی مرفوع روایات پر تو کوئی کلام نہیں لیکن درایت کی روشنی میں علمائے اہل سنت (امام ابوحنیفہؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، محدث ابن جوزیؒ، امام فخر الدین رازیؒ..... وغیرہ) نے بخاری شریف میں آنے والی کچھ اخبار آحاد پر کلام کیا ہے، جن میں سے کچھ روایات کا ذکر ہم اس تحریر میں کر آئے ہیں۔
مسلم شریف: امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث سے اپنی تصنیف صحیح مسلم مرتب فرمائی۔ امام بخاریؒ کی طرح انہوں نے بھی جرح وتعدیل کے پیمانوں کے تحت جانچ پڑتال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مزید یہ کہ حدیث پر غور وفکر کرنے کیلئے کتاب کی ترتیب بہت ہی سائنٹفک (Scientific) ہے۔
یہ بات پھر سے ذہن نشین رہے کہ روایت پر کلام نبی کریم ﷺ کی بات پر کلام نہیں, بلکہ اسماء الرجال یعنی محدثین کی تحقیق میں رہ جانے والی کمی بیشی پر ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی بات پر اعتراض سے تو انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔
اس ضمن میں اصل حقیقت پسندانہ بات وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کہی جسے پچھلے باب میں بھی بیان کیا گیا:

''اصل یہ ہے کہ ہر گوشے کی طرح اس گوشے میں بھی متاخرین افراط وتفریط میں پڑ گئے ہیں اور اسکی وجہ سے عجیب وغریب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں۔ایک طرف فقہاء حنفیہ ہیں جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری ومسلم کی مرویات کی زَد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے، اس امر کی کوشش شروع کر دی ہے کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح سے کمزور کر دی جائے......... اور دوسری طرف آئمہ اصحاب حدیث ہیں جنھوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہائے مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ انکے سامنے جونہی بخاری ومسلم کا نام آجاتا ہے تو بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں، پھر کوئی لیل وحجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف (یعنی ضعیف ہونے پر) پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں۔'' (انبیائے کرامؑ ،مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات کا مجموعہ، مرتبہ، مولانا غلام رسول مہر)

پس افراط وتفریط سے کنارہ کشی ہی ابلیس سے نجات کا حل ہے۔اس ضمن میں یہ بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ چند روایات پر کلام کی بنا پر نعوذ باللہ بخاری کی ساری اخبار آحاد کو مشکوک بنانے سے بھی ہمیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہم اللہ کے رسول ﷺ کی بات کے ہی منکر نہ ٹھر جائیں۔اور نہ ہی محدثین کو معصوم عن الخطاء اور حرف آخر قرار دیتے ہوئے قرآن کو روایات کے تابع اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹ منسوب کرنا چاہیے۔دونوں طرف انتہائی ذمہ دارانہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

<u>طبقہ دوم:</u> بُخاری، مُسلم، اور الموطاء امام مالک کے بعد دوسرے طبقہ کی مستند تصانیف یہ ہیں:

1۔جامع ترمذی، 2۔سُنن ابوداوٗد، 3۔سُنن نسائی، 4۔سُنن ابن ماجہ، 5۔مسند امام احمد

سند کے لحاظ سے ان کتب میں زیادہ تر صحیح روایات جبکہ بہت سی کمزور روایات بھی موجود ہیں۔ان کے بعد تیسرے اور چوتھے درجے کی کتب ہیں جن میں زیادہ تر ضعیف اور کم صحیح احادیث ہیں۔

<u>محدثین:</u> یہ سب محدثین مخلص، اہل تقویٰ، ثقہ وصدوق اور عادل تھے۔کثیر راویوں کی چھان پھٹک اس

دور کا بنیادی تقاضا تھا، لہٰذا اپنی بساط کی حد تک ان عظیم رہنماؤں نے بھرپور کاوش کی۔ اسکے باوجود بھی غیر عادل راویوں کا کہیں کہیں اسناد میں موجود رہ جانا محض غلط فہمی کی بنا پر ہے نہ کہ دانستہ طور پر۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔1176ھ) نے بھی کتب احادیث کے طبقات اسی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔

طبقہ اوّل اور دوم کی کتب کی تفصیل یوں ہے:

#	کتابیں	کُل احادیث	مُحدثین رحمهم الله کے نام	وفات
1	صحیح بُخاری	7,397	امام محمد بن اسماعیل بُخاریؒ	256ھ
2	صحیح مُسلم	7,563	امام مُسلم بن حجاج قشیریؒ	261ھ
	الموطاء امام مالک	1,720	امام مالک بن انسؒ	179ھ
3	جامع ترمذی	3,956	امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	279ھ
4	سُنن ابی داؤد	5,274	امام ابوداؤد سلمان بن اشعث	275ھ
5	سُنن نسائی	5,761	امام احمد بن شعیب نسائیؒ	303ھ
6	سُنن ابن ماجہ	4,341	امام محمد بن یزید ابن ماجہؒ	273ھ
8	مسند امام احمد	27,647	امام احمد بن حنبلؒ	241ھ

فقیہ اور محدث کا دائرہ کار

ایک مسلمہ حقیقت! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ انسان جس کام میں زیادہ مشغول ہو، جس کا انہماک ہو وہی چیز انسان کے قلب وذہن پر سوار رہتی ہے اور اسی پر انسان کو زیادہ مہارت حاصل ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کی نفی تو نہیں لیکن جس چیز پر زیادہ وقت دیا جا رہا ہو، اس پر ذہن زیادہ چلتا ہے اور باقی چیزوں پر مہارت کم رہ جاتی ہے۔ اگر کوئی حفظ کرے گا تو حفظ کی استعداد بڑھ جائے گی۔ اگر کوئی تقریر کرے گا تو تقریر کی مہارت، اگر کوئی لکھے گا تو لکھنے کی صلاحیت پروان

چڑھ جائے گی، اگر کوئی غور وفکر کرے گا تو تفقہ کا ملکہ پیدا ہونا شروع ہوجائے گا.......

مذکورہ موضوع کے ضمن میں بھی یہ حقیقت ہے کہ فقہاء کرامؒ کی کاوش تفقہ فی الدین پر مرکوز ہونے کی وجہ سے مجتہدانہ صلاحیت نمایاں ہوجاتی ہے۔اسی طرح محدثین عظامؒ کی توجہ کا مرکز جرح وتعدیل ہونے کی وجہ سے روایت کی اسناد کی پرکھ کا ملکہ ان میں نمایاں ہوجاتا ہے۔

اس حقیقت کو شاہ ولی اللہؒ نے یوں بیان کیا:

''محدث اور فقیہ میں فرق ہے۔محدث کا کام صرف حدیث کی روایت ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف،محرف ہے یا غیر محرف....... راویوں کی لڑی عدالت کی ترازو میں پوری اترتی ہے یا نہیں۔حدیث کے توابع وشواہد کیا ہیں۔حدیث اپنے بیان کرنے والوں کے لحاظ سے شہرت اور غرابت میں کیا مقام رکھتی ہے....... فقیہ کا کام مشتبہ الفاظ کی تحدید اور حدیث میں رکن،شرط اور ادب کی تعین کرنا ہے۔وہ امر کے صیغوں کو دیکھ استحباب اور وجوب کا فیصلہ کرتا ہے اور نواہی میں مکروہ اور حرام کے درجات مقرر کرتا ہے۔وہ پیش یا افتادہ مسائل کی علتیں اور دلائل جانتا ہے اور علتوں کے لحاظ سے کسی حکم کے مطلق اور مقید ہونے کی نشاندہی کرتا ہے............ دلائل میں تعارض ہو تو تطبیق کرنا، باہم مفاہمت کرانا،منسوخ بتانا اور تعارض کے وقت ترجیح دینا فقیہ کا کام ہے۔'' (مصطفٰی شرح موطا: ج1،ص:34)

مزید لکھتے ہیں:

''علم الحدیث کے کچھ طبقات اور اس میں ماہرین کے کچھ مراتب ہیں۔علم حدیث کے دو درجے ہیں۔ایک درجہ چھلکے اور سیپی کا ہے اور دوسرا درجہ مغز اور موتی کا ہے۔علماء نے دونوں کی خدمت کی ہے۔علم حدیث میں چھلکے اور سیپی کے درجے کی چیز حدیثوں کو صحت وضعف،غرابت اور شہرت کی حد تک جاننا ہے۔یہ خدمت محدثین نے سرانجام دی

ہے۔علم حدیث ہی کا ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے معانی شرعیہ کو سمجھا جائے،اس سے احکام جزائیہ مستنبط کیے جائیں،عبارت، دلالت،اشارہ ومفہوم کی بناپر منصوص حکم پر غیر منصوص کو قیاس کیا جائے۔منسوخ ومحکم،مرجوح ومبرم کا پتہ لگایا جائے۔حدیث کا یہ فن موتی اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے۔اس فن کی خدمت کرنے والے فقہاء اور مجتہدین ہیں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج:1،ص:2)

علامہ خطابیؒ (التوفی: ۳۸۸ھ) نے لکھا:

''حدیث کی حیثیت مکان اور اساس و بنیاد کی ہے اور فقہ اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے۔جو عمارت بغیر بنیاد کے بنائی جائے اس میں استحکام نہیں ہوتا اور صرف بنیادیں بغیر عمارت کے خراب اور چٹیل میدان ہوتا ہے۔'' (معالم السنن: ج:1،ص:5)

علامہ ابوبکر الحازمیؒ لکھتے ہیں:

''احادیث میں ایک دوسرے کو باہمی ترجیح دینا یہ فقہاء کا کام ہے کیونکہ ان کا پیش نہاد احادیث میں احکام کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس موضوع پر ان کی نگاہ کی وسعتیں اور پہنائیاں بے حد ہیں۔'' (شروط الائمۃ الخمسہ :ص:27)

فقہ،تدوینِ حدیث اور فی زمانہ دین کی بنیادیں؟

تیسری صدی ہجری کے بعد، جب کہ ائمہ رحمھم اللہ کا فقہ پر بھی کام موجود ہے،کتبِ احادیث بھی مرتب ہوچکی ہیں یعنی تدوین حدیث پر بھی کام ہوگیا ہے...... سوال یہ ہے کہ اب ہمارے لئے دین کی بنیاد کیا ہے؟ کیا کسی نہ کسی معین امام کی پیروی کرنی چاہیے، یا ائمہؒ کی بجائے کتبِ احادیث کو بنیاد بنانا چاہیے؟ اس پر مختلف آراء موجود ہیں۔لیکن اخلاص اور قرآن وسنت سے رہنمائی کی روشنی میں دیکھا جائے،تو ہمارے لئے درج ذیل راستہ متعین ہوتا ہے:

قرآن حکیم ،کتبِ احادیث اور ائمہ دینؒ کے اُصولوں کی روشنی میں...... نبی کریم ﷺ کی ''سنت''

کوجانا جائے۔کسی ایک امام کی پیروی کرنی بھی ہوتو،وہ بھی جائز تقلید ہونی چاہیے،(اطیعو اللہ واطیعوالرسول) کی شرط کے ساتھ۔یعنی اس نظریے کے ساتھ کہ امام معصوم عن الخطا نہیں،جب بھی امام کی کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پرنظر آئے تو فوراً،اللہ ورسول ﷺ کی طرف پلٹا جائے۔نہ کہ غلط روش پرقائم رہتے ہوئے،امام کی بات کوقائم رکھنے کیلئے،قرآن وسنت سے اعراض یاغلط تاویل وتحریف کے ذریعے ہلاکت کی راہ اپنائی جائے۔

مزید یہ کہ جہاں تک معاملہ فروعی مسائل (فضیلت واستحباب) کا ہے،ان میں اپنا ذاتی عمل تو ہرممکن بہتر سے بہتر دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہیے،لیکن دوسرے لوگوں پرسختی کرنے کی بجائے،ائمہ دین یا روایات کی بنیاد پرجس کسی نے کسی عمل کواختیار کیا ہے،اس پرسختی کرنے کی بجائے رعایت دینی چاہیے۔البتہ ضروری وبنیادی درجے کی چیزیں جن کا تعلق فرائض وواجبات،حلال وحرام(اوامرونواہی) کےساتھ ہے،اس پردلیل قوی پرکاربند ہونے کی سختی ہونی چاہیے۔

قرآن کے سائے تلے،کتبِ احادیث :بخاری،مسلم سمیت دیگر کتب سے سند ودرایت کی بنیاد پر استفادہ کیا جائے اور بالخصوص''موطا امام مالک'' کوبھی ترجیح پر رکھا جائے جو<u>عملِ اہل مدینہ</u> کا ترجمان ہےاورخیرالقرون کے عملِ متواتر کےلحاظ سے جملہ دینی کتابوں سے زیادہ قابلِ اعتماد مجموعہ ہے۔جس میں روایت بالمعنی کی بجائے روایت باللفظ کوترجیح دی گئی ہے۔جسکی روایات متن کے اعتبار سے،تمام کتبِ احادیث میں سے سب سے اعلیٰ ہیں اور جوتمام کتب احادیث کی اصل اور اساس ہے۔

✡✡✡✡✡

باب ۱۳

قرآن کو حاکم نہ بنانے کے بھیانک نتائج

زبان سے قرآن کی حاکمیت کے اقرار کرنے کے باوجود عملی طور پر ہر دینی علم کو کما حقہ قرآن کے تابع نہ کرنے کا اخروی خسارہ تو اپنی جگہ موجود ہے ہی لیکن دنیا میں بھی ہماری زندگی پر اسکے بہت سنگین نتائج مرتب ہوئے ہیں۔ کیونکہ اسناد میں گھسے ہوئے بعض عادل نما بدنیت راویوں کا نشانہ: قرآن، انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو فاسد عقائد و اعمال پر گامزن کرا کر انکی دنیا و آخرت برباد کرنا تھی، جس سے بچنے کیلئے اُصول درایت کو ناگزیر قرار دیا گیا۔ صحابہؓ اور امام ابوحنیفہؒ کے ان اصولِ درایت کو ترک کرنے اور صرف سند کو حرف آخر سمجھنے کی وجہ سے تقریبا دین کے ہر شعبہ: عقائد ونظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات.... متاثر ہوا ہے، جیسے:

(۱)۔ قرآنی احکامات اور سنت متواترہ کے برعکس بخشش و شفاعت اور توبہ کے غلط تصور کی وجہ سے مسلمانوں کا:

- بدترین اخلاقی زوال کی لپیٹ میں آنا۔
- پورے دین کی بجائے، جزوی دین پر اکتفا کرنا۔
- عمل سے دوری اور معصیت و نافرمانی پر آمادگی۔

(۲)۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ عصمتِ باری تعالیٰ پر حرف آنا۔ انہیں چیزوں کو ڈھال بنا کر خبیث کفار نے انبیاء علیہم السلام جیسی پاکیزہ ہستیوں کی ناموس کو نشانہ بنایا ہے۔

(۳)۔ صحابہؓ اور آل رسولؐ کی عزت و ناموس کو داغدار کرنا: رافضیت اور ناصبیت کی آڑ میں عادل نما

راویوں کا اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے کیلئے صحابہ کرامؓ اور آل رسولؐ کی عزت و ناموس کو داغدار کرنا۔اس مقصد کیلئے: ناصبی ،حضراتِ صحابہ(حضرت علیؓ وغیرہ) کی فضیلت میں آنے والی صحیح سند والی روایات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے مقصد کی دوسری روایات جن سے حضرت علیؓ وغیرہ کی عزت داغدار ہو،انہیں لے لیتے ہیں۔جبکہ رافضی ،حضراتِ صحابہؓ (سیدنا صدیق اکبرؓاور سیدنا عمر فاروقؓ وغیرہ) کی فضیلت میں آنے والی صحیح سند والی روایات کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے مقصد کی دوسری روایات جن سے سیدنا صدیق اکبرؓاور سیدان عمر فاروقؓ وغیرہ کا ایمان اور عزت داؤ پر لگے انہیں لے لیتے ہیں۔یوں امت میں جنگ وجدل پیدا ہوگیا ہے۔اس کا حل یہی ہے کہ قرآن کو بنیاد بنایا جائے اور پچھلوں کو کریدنے کی بجائے،سب کے متعلق اچھے جذبات رکھتے ہوئے،اپنی ذمہ داریاں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کیا جائے۔جس کے بارے میں ہمیں پوچھا جانا ہے،جیسا کہ پروردگار نے رہنمائی فرمائی:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾(سورۃ البقرہ،آیت:141)

''یہ ایک امت تھی جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا وہ تمھارے لیے ہے اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا''

طوالت سے بچنے کیلئے،مذکورہ مختلف شعبہ جات میں سے صرف پہلا شعبہ یعنی ''مسلمانوں کے بدترین اخلاقی زوال'' پر مختصر وضاحت پیش خدمت ہے۔

ہمارا اخلاقی زوال

فی زمانہ برصغیر پاک و ہند سمیت دیگر ممالک کے مسلمان الا ماشاء اللہ بدترین اخلاقی وعملی زوال کا شکار ہیں، جس کی بدولت انفرادی اور اجتماعی عدم استحکام،استحصال اور شدید معاشرتی بحران پیدا ہو چکا ہے۔اور امن وسلامتی کے ساتھ زمین پر رہنا مشکل ہوگیا ہے۔صورت حال یہ کہ ایک ریڑھی

بان سے لے کر اعلیٰ سطح تک، ملاوٹ، دھوکہ دہی، جھوٹ، رشوت، ناجائز سفارش..... کے ذریعے دوسروں کی حق تلفی سے، الا ماشاءاللہ کوئی بھی باز نہیں آتا۔ ہمارے عملی زوال کی نقشہ کشی کچھ یوں ہے:

۔عبادات، اخلاقیات ومعاملات، معاشیات.... پر مشتمل پورے دین کو اپنانے کی بجائے، جزوی دین (عبادات یا اخلاقیات ومعاملات) پر مطمئن ہو جانا۔

۔اسلام کی بجائے فرقوں کے احیاء کی غرض سے قرآن وسنت کی تحریف کرنا، مذہب کے ذریعے مال، جائیدادیں، گاڑیاں .... بنانا، مذہبی منافرت اور تعصب کی بنا پر جنگ و جدل، خونریزی، عبادت گاہوں میں بم دھماکے، املاک کی توڑ پھوڑ اور قانون شکنی کے ذریعے اسلام، امن وسلامتی اور ملکی بقا کو خطرے میں ڈالنا۔ مساجد کی ٹوٹیاں، لائٹس، پنکھے تک نہ چھوڑنا۔ دین کی خدمت کے نام پر دوسرے فرقوں کی مساجد پر قبضہ.... حالانکہ کوئی چیز اگر کافر کی ملکیت ہو تو اسے بھی ہتھیانے کا حق نہیں۔

۔ناپ تول میں کمی، ملاوٹ (حتیٰ کہ جان بچانے والی ادویات بھی دو نمبر، تین نمبر)، دھوکہ دہی، جھوٹی قسموں کے ذریعے خرید وفروخت، ناجائز منافع، مزدور کو پوری اجرت نہ دینا، ذخیرہ اندوزی سے غریب عوام کا استحصال کرنا۔

۔عہدہ واختیارات کے غلط استعمال کے ذریعے ملک وقوم کی حق تلفی۔ عائد شدہ ذمہ داری پوری نہ کرنا۔ ڈیوٹی ٹھیک نہ کرنا۔ وقت پورا نہ دینا۔ دوسروں کو ان کا حق دینے کی بجائے ان کا حق چھیننا۔ فائدہ لیتے ہوئے یہ نہ دیکھنا کہ یہ ہمارا حق ہے بھی یا نہیں۔ سرکاری اشیاء کو ناحق ذاتی استعمال میں لانا........ وغیرہ۔

۔دیگر ملی جلی اخلاقی خرابیاں جو عموماً نظر آتی ہیں:

دوسروں کا حق چھیننے کیلئے رشوت وسفارش۔ وراثت ہتھیانہ، بالخصوص خواتین کو انکا حق نہ دینا۔ بداخلاقی۔ ہمسائیوں سے ناروا سلوک۔ اپنی باری کی بجائے لائن توڑ کر دوسروں کی حق

تلفی کرنا۔لوگوں کوتکلیف دینا،انکی دل آزاری کرنا۔صفائی ستھرائی،ڈسپلن نظم وتنظیم کا خیال نہ رکھنا۔اپنا کوڑا کرکٹ دوسروں کے گھروں کے آگے پھینکنا۔لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔گھریلو ذمہ داریاں پوری نہ کرنا۔عہد و پیمان کی پاسداری نہ کرنا۔دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ادا نہ کرنا۔شرم وحیاء کوملحوظ نہ رکھنا نا،شادی بیاہ سمیت دیگر رسومات دین کے تابع نہ ہونا۔

ملاوٹ اوردھوکہ دہی کا یہ عالم ہے کہ:

شہد میں شیرا، دودھ میں پانی، گھی میں کیمکل اور مرغیوں کی انتڑیاں، ہلدی میں مصنوعی رنگ، مرچوں میں اینٹوں کا بُورا، کالی مرچ میں گھوڑے کا دانا، جوس میں رنگ اور جعلی فلیورز، پتی میں چنے کے چھلکے، آٹے میں ریتی، چنے کے آٹے میں لکڑی کا بھوسہ،پھلوں کو میٹھے انجکشن، پٹرول میں گندا تیل، ٹافیوں میں زہرآلودمواد، گوشت کو پانی کے ٹیکے لگا کر وزن بڑھانا، ذبح کے فوراًبعد شہہ رگ میں پریشر پائپ سے پانی کو ذبیحہ جانور کے جسم میں بھرنا، گائے بھینس کو مضر صحت انجکشن لگا کر زیادہ دودھ کا حصول،ہوٹلوں میں گدھے، کتے اور خنزیر کا گوشت،منرل واٹر میں نلکے کا پانی،جعلی صابن،جعلی شیمپو،جعلی ادویات....... لیکن دونمبر مصنوعات ایک نمبر اصلی ٹیگ کے ساتھ۔اورظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ دوران آپریشن مریضوں کے گردے نکال لینا، ملازمت کیلئے میڈیکل ٹسٹ کے بہانے اندرونی جسمانی اعضا نکال لینا، دل میں جعلی اسٹنٹ، ناپ تول میں کمی، رشتوں میں دھوکہ،والدین کی نافرمانی، ٹھیکوں،ملازمت میں رشوت وسفارش، کاروبار میں ہیرا پھیری، امیری میں تکبر،غریبی میں ناشکری،علم پرغرور،عبادت میں ریاکاری...........!

یہ سارے کام کرنے والے کوئی یہودی یا نصرانی نہیں بلکہ کلمہ گومسلمان ہی ہیں۔ بلکہ ہمارے ہی ملک میں بسنے والی عیسائیوں کا اخلاقی کردار ہم سے بہت بہتر ہے (جس کا میں خود کئی دفعہ مشاہدہ بھی کرچکا ہوں)۔افسوس کہ ان سب غلاظتوں میں ڈوب کر بھی ہم کہیں کہ ہم حقیقی مسلمان ہیں اوراس

زعم میں مبتلا رہیں کہ ہم ہی جنت کے وارث ہیں...... باعث حیرت ہے۔!

بقولِ علامہ اقبالؒ:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

اس بگاڑ کی بنیادی وجہ بخشش وشفاعت کا غلط تصور ہے جسکی وجہ روایات کی بنا پر قرآنی آیات کی غلط تاویل ہے۔ حالانکہ قرآن کی موید دیگر صحیح روایات بھی موجود ہیں جن سے چشم پوشی کی گئی۔

حالانکہ قرآن کے اخلاقی قوانین سے قوموں نے رفعت و بلندی پائی تھی جس سے مسلمان محروم ہو چکے ہیں:

﴿وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا﴾ (سورہ طٰہٰ :20: 124)

''اور جس نے منہ پھیرا میرے ذکر (قرآن مجید) سے تو اسکے لیے زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جائے گا۔''

آپ ﷺ نے قوموں کے عروج و زوال کے متعلق خبر دی:

((ان اللہ یر فع بھذا الکتا ب اقواما و یضع بہ آخرین)) (مسلم، رقم:1897)

''بے شک اللہ، اس کتاب کے ذریعے کچھ اقوام کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ کو پستی کا شکار کر دیتا ہے''

یوں مسلمان اصل ہدایت یعنی خالق کی رہنمائی سے حقیقی طور پر دور ہونے کی وجہ سے زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔

اصول: ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآنی احکامات کو اپنی جگہ پر رہنے دیا جاتا اور روایات کی تاویل قرآنی احکامات کے تحت کی جاتی تو ہماری دنیا و آخرت بچ جاتی۔ لیکن افسوس کہ معاملہ اسکے برعکس ہوا ہے۔ حقیقت حال سے آگاہی کیلئے بطور نمونہ قرآن حکیم کی بینات کی روشنی میں تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھیئے ہماری تحریر (امت مسلمہ کا اخلاقی زوال، تحریر نمبر۔۳)

فیصلہ آپکے ہاتھ!

الحمد للہ ! قرآن کی حاکمیت کے تناظر میں اُصول روایت کے متعلق وہ عالمگیر غلط فہمی جو دوسری صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی اسکے تمام پہلو کھول کر بیان کر دیے گئے ہیں۔ جب تک سانس جاری ہیں مہلت موجود ہے۔ جلد از جلد تمام دینی علوم کو یقینی اور قطعی نص قرآن حکیم کے تابع کر کے اللہ کی ہدایت و رحمت کے حصار میں آ جائیں۔

اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور اسکا کروڑ ہا شکر ہے جس نے ہم پر اپنا فضل و کرم فرمایا، اور میری زندگی کی اس اہم ترین تحریر کو تکمیل تک پہنچانے کی مہلت و توفیق دی۔

کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ جل جلالہ کے پیارے حبیب **سیدنا مُحمد رسولُ الله** صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اللہ کی خالص تعلیمات ہم تک پہنچا کر ابلیس کی ہر چال سے آگاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس مکار دشمن سے بچانے کی راہ بتلائی۔

اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان اولیاء کرام، بزرگان دین پر جو قرآن کی حاکمیت پر ڈٹے رہے اور جنہوں نے کما حقہ توحید و رسالت پر قائم رہ کر دنیا کو آخرت کے تابع کر کے مرغوبات نفس کو لگام ڈال دی۔

اس تحریر میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو، اُسے اللہ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے اور جن بھائیوں نے تعاون فرمایا اُن کے علم و عمل اور درجات میں اضافہ فرمائے۔ اس کاوش کا بہترین اجر میرے پیارے والدین بالخصوص پیاری والدہ محترمہ مرحومہ کو عطا فرمائے اور انکی بخشش اور درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔ (آمین)

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ جل جلالہ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ جل جلالہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔“

((وما توفیقی الاّ باللّٰہ))

✡✡✡✡✡

جلدی کریں!

ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اُس وقت کوئی زور، کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔ انسان بالکل بے سہارہ ہو کر اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوگا ۔قرآنی احکامات سے دور، خودساختہ سوچ، فرقہ واریت اور مسلک پرستی کی بنا پر غلط عقائد وافعال پر گامزن، خواہشات کے رسیا، دنیا کی دلفریبیوں میں گم، آخرت سے غافل لوگ دائمی جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ صرف بچے گا وہ جس نے تعلیمات وحی کو من وعن سمجھا اور من وعن تسلیم کرلیا۔ اپنی سوچ، اپنے فرقے، گروہ، اپنے لیڈرز، اکابرین، امام، پیر اور بزرگ حضرات کو حقیقی معنوں میں اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات کے تابع کرلیا۔ جس نے صبر کے ساتھ اپنی خواہشات کو قابو کرتے ہوئے، خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا حساب کرلیا ہوگا۔

اسلئے مکار ابلیس کے فریب سے بچیں اور جلد از جلد حقیقت تسلیم کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بچالیں۔ جلدی کریں مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں:

''اور (اَے لوگو !) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیز گاروں میں شامل ہو جاتا۔ یا (قیامت کے دن) عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے اَے کاش ! کسی طرح مجھے (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیا جائے تو میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوسکوں۔ (اللہ فرمائے گا:) ہاں ہاں! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور وتکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔''

(سورۃ الزمر، آیت:59 - 55)

حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند علماء حضرات سے ملاقات کی لسٹ

نمبر شمار	عالم کا نام	مکتبۂ فکر	تاریخ
1	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	95,96,98, 2001
2	مولانا محمد الیاس قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	1999 - 2000
3	پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب	اہلسنت	2003, 2004
4	پیر محمد زاہد صاحب	اہلسنت (بریلوی)	2006, 2007
5	مفتی محمد علیم الدین صاحب	اہلسنت (بریلوی)	16-12-2006
6	مفتی منیب الرحمٰن صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
7	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
8	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب	اہلسنت (داعی تحریک خلافت)	2007،2008
9	پیر نصیر الدین نصیر صاحب	اہلسنت (بریلوی)	3-08-2007
10	مفتی محمد طیب صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Aug. 2007
11	مولانا جمشید صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Nov. 2007
12	مفتی انصر باجوہ صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	2008
13	انجینئر آصف قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	25-01-2008
14	مولانا مظہر اللہ غلام قمر سیالوی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	Mar. 2008
15	علامہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن حفیظ صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
16	انجینئر عبدالقدوس سلفی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
17	علامہ حافظ زبیر علی زئی صاحبؒ	اہلسنت (اہلحدیث)	May 2008
18	ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	Feb. 2009
19	علامہ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر صاحب	اسلام (قرآن وسنت)	2010
20	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2011
21	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ	اہل تشیع	2012
22	مولانا اسحاق صاحبؒ	اسلام (اتحاد امہ)	2012
23	علامہ ڈاکٹر نور حیات خان صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2015
24	ابو یحییٰ صاحب	اسلام	2017
25	جاوید احمد غامدی صاحب	اسلام	2017

☆ سوشل میڈیا کے ذریعے علماء حضرات سے استفادہ تادمِ زندگی جاری ہے۔

﴿حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ﴾

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاءالحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔تفہیم البخاری	غلام رسول سعیدی صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی،مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔ بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحید خالص	الشیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی،فتوح الغیب	پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابو القاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔مقالات،رسائل الحدیث	حافظ زبیر علی زئی صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابو الحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔حقیقت التقلید	ابو محمد امین اللہ الپشاوری صاحب
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن ،روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔ پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تیجانی سماوی صاحب
38۔المراجعات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتبِ فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ’’تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو‘‘

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

ترجمہ: ’’بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے‘‘۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغامِ حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

مراجع ومصادر

اس تحریر کی تالیف میں پیش کئے گئے قرآن حکیم، اسکی تفاسیر اور کتب احادیث کے حوالہ جات کی تفصیل دینے کی ضرورت نہیں، ان سے لوگ بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن اسکے علاوہ دیگر حوالہ جات جنہیں تحریر میں واضح نہیں کیا گیا انکی کچھ مزید تفصیل پیش خدمت ہے:

نمبر	کتاب	مصنف	زمانہ
۱	کتاب الکفایہ فی علم الروایۃ	امام ابوبکر خطیب بغدادیؒ	چوتھی صدی ہجری
۲	منہاج السنۃ	امام ابن تیمیہؒ	چھٹی/ساتویں صدی ہجری
۳	الروض الباسم	محمد بن ابراہیم الوزیرؒ	۸۴۰ھ
۴	توضیح الافکار	محمد بن اسماعیل الصنعانیؒ	گیارہویں صدی ہجری
۵	معالم السنن	علامہ خطابیؒ	تیسری صدی ہجری
۶	المیزان الکبریٰ	امام عبدالوہاب شعرانیؒ	نویں صدی ہجری
۷	کشف الاسرار	علامہ عبدالعزیز بخاریؒ	۸۳۰ھ
۸	الانتقاء	حافظ ابن عبدالبرؒ الاندلسی	چوتھی صدی ہجری
۹	ردالمحتار	علامہ ابن عابدین شامیؒ	بارہویں صدی ہجری
۱۰	الفقہ الاکبر	امام ابوحنیفہؒ	دوسری صدی ہجری
۱۱	ایقاظ ھمم اولی الابصار	الشیخ الامام صالح بن محمد نوح العمریؒ	بارہویں صدی ہجری
۱۲	مالک حیاتہ	محمد ابوزہرہ مصریؒ	تیرہویں صدی ہجری
۱۳	احکام الاحکام	محمد بن علی بن وھب ابن دقیقؒ	ساتویں صدی ہجری
۱۴	ہدایۃ	امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانیؒ	پانچویں صدی ہجری
۱۵	المعتصر	امام طحاویؒ	۳۲۱ھ
۱۶	حقیقۃ الفقہ	محمد یوسف جے پوریؒ	۲۰۰۹ء
۱۷	تعلیقات علیٰ شروط الائمۃ الخمسہ	امام حازمیؒ	۵۸۰ھ
۱۸	مشکل الآثار	امام طحاویؒ	تیسری صدی ہجری
۱۹	الموفقات	امام شاطبیؒ	ساتویں صدی ہجری

ہماری تحاریر

نجات: اس نایاب تحریر میں ساری کتابوں کا خلاصہ ایک جگہ "ایک ٹاپک صرف ایک صفحہ پر" جمع کر دیا گیا ہے۔

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور یہ کسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	ہمارا اخلاقی زوال: (حقیقی وجوہات اور حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہِ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس وشیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر ونواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الاّ اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد وعورت کیلئے قرآن وسنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)
15	اسلام کا قانونِ جہاد		

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا وآخرت کی کامیابی کیلئے پیغامِ حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

ویب سائٹ (Web Site) کا تعارف

سچی رہنمائی (Pure Guidance)

اللہ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت لمبا عرصہ دین میں غوطہ زن رہ کر، سچائی کی بنیاد پر فہم دین کی بلا تعصب (بے رنگ شفاف عینک والے شیشوں سے) تمام مکاتب فکر سے استفادہ کی بنا پر (ضروری دین پر مشتمل اہم موضوعات) کو تحریری شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کام درج ذیل بنیادوں پر کیا گیا ہے:

کام کی بنیاد

☆ فرقوں اور مسالک کی بجائے اسلام کی بالاتری، ☆ سچائی اور دیانتداری کا دامن تھامتے ہوئے، ☆ قرآن وسنت کے پختہ دلائل، ☆ انتہاء پسندی کی بجائے اعتدال کو ملحوظ رکھنا، ☆ فروعات کی بجائے بنیادی واصولی چیزوں کی ترجیح، ☆ سلف، آئمہ، بزرگانِ دین کے فہم سے استفادہ، ☆ عزت واحترام اور اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھنا، ☆ اہل اسلام کے اتحاد ویکجہتی کیلئے، ☆ مختصر، عام فہم، عامی لوگوں کی سطح پر مواد۔

کام کی تفصیل

قارئین کی آسانی کیلئے یہ تحریری مواد درج ذیل شکلوں میں مرتب کیا گیا ہے:

(1)۔ کتابیں (Books): دین کو گہرائی سے جاننے والوں کیلئے دلائل کی بنیاد پر تفصیلی رہنمائی پر مبنی کتابیں۔

(2)۔ کتابچے (Booklets): آسانی کیلئے کم یعنی چند ضروری دلائل کی بنیاد پر مختصر کتابچے۔

(3)۔ پمفلٹ (Pamphlets): مزید آسانی کیلئے چند (پانچ، دس) صفحات پر مشتمل پمفلٹ۔

(4)۔ بروشرز (Inspiration): عوام الناس کیلئے ایک صفحہ پر مشتمل بروشر کی شکل میں انتہائی ضروری، اہم حقائق پر مبنی انتہائی مختصر مواد جسے بار بار دہراتے رہنے کی ضرورت ہے۔

(5)۔ سنہری اقوال (Golden Quotes): انتہائی مختصر چند سطور پر مبنی زندگی تبدیل کرنے والے سنہری اقوال۔

(6)۔ وڈیو (Short Video Clip): اہم موضوعات پر مبنی دو تین منٹ کی انتہائی مختصر وڈیو (Speech)۔

ویب سائٹ (Web Site)

یاد رکھیں! ہدایت اس پر کھلتی ہے جس میں سچائی جاننے کی شدید تڑپ ہو، پیاس ہو، جو بے قرار ہو۔ حقیقت تک رسائی کیلئے مذکورہ مواد درج ذیل ویب سائٹ پر موجود ہے۔ خود آگاہ ہو کر دوسروں کی آگاہی کا ذریعہ بنیں۔

(www.khidmat-islam.com)

ہمیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ بروز قیامت قرآن مجید کی بابت ہماری جواب طلبی ہونی ہے،اس کتاب پر ہمارا محاسبہ ہوگا۔خالق ارض وسماوات کے رُو برو ہم تن تنہا کھڑے ہوں گے اور قرآن مجید کی بنیاد پر ہمارے انجام کا فیصلہ ہوگا۔جو بدنصیب اپنے عقائدوافعال کے حوالے سے قرآنی میزان پر ناکام ہوگیا، وہ ہلاک وبرباد ہوگیا۔مکار ابلیس نے بھی ذریت آدم کی جڑ کاٹ دینے اور ساری انسانیت کو اغوا کر لینے کا دعویٰ کیا ہے۔ بچے گا وہی جو مخلص ہوگا،جس نے قرآن کو تمام دینی علوم پر حاکم وجج بنایا ہوگا۔قرآن فہمی کیلئے اہل علم سے استفادہ تو ضرور کرنا چاہیے،لیکن قرآن کو اہل علم کے نیچے نہیں کرنا۔ ہمارا محاسبہ قرآنی آیات کی صراحت پر ہوگا نہ کہ سلف اور مفسرین کی رائے پر۔لہٰذا وہ تمام دینی پیشوا جن کی خاطر اللہ کی بات کو قرآن کے مطابق من وعن تسلیم کرنے کی بجائے اپنے اسلاف کے نیچے کیا ہوگا، وہ مذہبی پیشوا اس دن براءت ولاتعلقی کرکے الٹے اپنے پیروکاروں کے خلاف ہوجائیں گے۔یہی ہماری زندگی کا سب سے سنگین معاملہ ہے،جس کے تبین کیلئے تعصب وتنگ نظری،فرقہ واریت اور مسلک پرستی سے پاک یہ تحریر آپکے ہاتھ میں ہے۔خود بچیں اور اپنے پیاروں کو بچانے کی فکر کریں۔

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

www.khidmat-islam.com

khidmat777@gmail.com

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161